ماہ نامہ

نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

October 2019

تعلیم کے تین بنیادی اجزاء

جاسوسی: آج کی تاریخ کے پس منظر میں

اکبر اعظم، ہندو احیاء پرستی کی کوشش

کشمیر: بھارتی فسطائیت اور مضمرات

کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن حُذَیفَۃَ قَالَ: کُنَّا عِندَ رسُولِ اللہ ﷺ فَذَکَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: لَفِتنَۃُ بعضِکُم اَخوَفُ عِندِی مِن فِتنَۃِ الدَّجَّالِ۔ لَیسَ مِن فِتنَۃٍ صَغِیرَۃٍ وَلَا کَبِیرَۃٍ اِلَّا تَضَعُ لِفِتنَۃِ الدَّجَّالِ فَمَن نَجَا مِن فِتنَۃِ مَا قَبلَھَا نَجَا مِنھَا۔ وَاللہِ لَا یَضُرُّ مُسلِماً، مَکتُوبٌ بَینَ عَینَیہِ کَافِرٌ۔

(اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ: ۲۱۸/۱۵، رواہ احمد و البزار و رجالہ رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد: ۳۳۵/۷)

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا پھر فرمایا تم میں سے بعض کے فتنے میرے نزدیک دجال کے فتنے سے زیادہ خوف زدہ کرنے والے ہیں۔ آج تک دنیا میں کوئی بھی چھوٹا یا بڑا فتنہ ظاہر نہیں ہوا مگر دجال کے فتنے کی وجہ سے، سو جو کوئی اس فتنے سے پہلے فتنوں سے بچ گیا، وہ دجال کے فتنے سے بھی بچ جائے گا۔ بخدا دجال کسی مسلمان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

اکتوبر 2019ء، محرم الحرام ۱۴۴۱ھ/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ جلد:02 شمارہ:09

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

- محمد جمیل
- سید ریحان
- معاذ احمد جاوید
- محمد مبشر
- اُسامہ عظیم فلاحی
- عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name : Nukush E Rah
A/c No.: 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

فہرست مضامین

اداریہ	ڈاکٹر محمد وجیہ القمر	04
درسِ قرآن: آدم، فرشتہ اور ابلیس	ابن مظفر	05
درسِ حدیث: حصول تعلیم کا مقصد	محمد مبشر خان	08
نصب العین سے انحراف	مصطفیٰ مشہورؒ	09
علماء اکرام کا باہمی اتحاد	مولانا سلیمان قاسمی	11
قرآن علم کا سرچشمہ	یاسر صدیقی	14
تعلیم کے تین بنیادی اجزاء	معاذ احمد جاوید	15
کشمیر: بھارتی فسطائیت اور مضمرات	افتخار گیلانی	17
اکبر اعظم، ہندو احیاء پرستی کی کوشش....	منہاج الاسلام	23
ویدا اور اس کی قدامت	سید حامد علی	27
گوشۂ خواتین: اپنی مظلوم بیٹی کے نام	یوسف القرضاوی	29
گوشۂ اطفال: جان دے دی لیکن ایمان پر....	مرتب: خبیب صدیقی	31
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	32
اقبالیات	ابن سلطان	32
جاسوسی: آج کی تاریخ کے پس منظر میں	مترجم: ڈاکٹر عبدالرحمٰن	39
چینی حکومت کا مسلمانوں پر ظلم	مترجم: محمد اکمل	43

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

ملک میں بالعموم اور کشمیر میں بالخصوص جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔کشمیر کے سیکولر دانش وران اور لادینیت کے حامیان بھی اب یہ شور کر رہے ہیں کہ ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کی روح نکال ڈالی گئی ہے لیکن ان کی آواز پورے ملک میں صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہے۔اسیرانِ مالٹا اور کالا پانی کے جانشین جو کل تک 'مسلمانوں کو تمام شعبوں میں حاشیہ پر لانے والی' اور 'جمہوریت و سیکولرزم کو نگل جانے والے سانپ کی پرورش و پرداخت کرنے والی ــــــ کانگریس کے اشاروں پر ناچتے تھے، اب انہوں نے بھی اپنے سجدے کی جگہ بدل لی ہے یا بدلنے کی انتھک و ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔ویسے 'حکومت سے قربت اور ان کا تعاون' ہمیشہ ان جیسے لوگوں کی ترجیحات میں شامل رہا ہے، چناں چہ کانگریس کے دور میں کانگریس کی حاشیہ برداری کی۔اور اب بی جے پی کے دور میں، بی جے پی کو مسجود بنایا جائے یا آر ایس ایس کو، اس کے لئے بے شرمی کے ساتھ باہمی مقابلہ آرائی ان کے یہاں شروع ہے۔ایسا لگتا ہے کہ کشمیر کی 'عبداللہ فیملی' جس راستہ پر سالوں سے 5/اگست 2019ء تک گامزن تھی، اس راستہ پر یہ دانش وران اب تیز تیز چلنے کی 'چالاک' جد و جہد کر رہے ہیں، حالاں کہ انہیں 'خاندانِ عبداللہی' سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔یہ بے چارے زندگی بھر جمہوریت و لادینیت کا مالا جپتے رہے اور کشمیریوں کو نت نئے طریقہ سے دھوکہ دیتے رہے، لیکن اب اسی جمہوریت و لادینیت کے نام نہاد علم برداران سے دھوکہ کھا کر پچھتا رہے ہیں۔اب اس پچھتاوے کا کیا فائدہ؟ تاریخ کا پہیہ تو گھوم رہا ہے سو گھوم گیا اور اللہ کا قانون 'جیسے کو تیسا' نہیں بدلتا اور نہ کبھی بدلے گا۔اب تو عبداللہ فیملی، اسیرانِ مالٹا کے 'خلفاء صالحین' اور لادینیت و جمہوریت کے حامی بقیہ دیگر سادہ لوح Intellectuals کو بھی یہ یقین راسخ کر لینا چاہئے کہ دوسروں کے رحم و کرم پر زیادہ اچھل کود کرنے والوں اور سیکولرزم و ڈیموکریسی کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔

'سام، دام، دنڈ، بھید' کے اٹل اصول پر چلنے والی برہمن لابی کو آج اپنا راستہ بالکل صاف دکھ رہا ہے، اور ان کے فریب میں بڑے بڑے علامہ بھی بڑی آسانی سے پھنستے جا رہے ہیں یا وہ اپنی کسی کرتوتِ ماضی کی وجہ سے پھنسنے پر مجبور ہیں، حالاں کہ انہیں قرآن و سنت اور تاریخِ ماضی سے سبق لینا چاہئے اور فریب خوردگی سے بچنا چاہئے۔ظلم اور فرعونیت جب ننگا ناچ کرنے لگے تو اس کے علم برداروں کی ہاں میں ہاں ملانے لگنا اور اسے وقت کا تقاضہ قرار دینا نہ تو نقلی لحاظ سے حکمت و دانش مندی ہے اور نہ ہی عقلی و تجرباتی لحاظ سے۔ہر چیز کی ایک مدت اور حد مقرر ہے، اسی طرح ظلم کی بھی ایک مدت و حد مقرر ہے۔ظالمین اور ان کے مُطَوَّع و مجبور حواری اگر اس مدت و حد سے قبل اپنے کو قابو میں نہیں کرتے تو اللہ کی سنت انہیں اپنے قابو میں کرنے سے نہیں چوکتی اور نہ چوکے گی۔فرعون، شداد، نمرود، ابوجہل، ہٹلر وغیرہ جیسے بے شمار جبّاروں کی تاریخ سے سبق لینے کی ضرورت ہے؛ ظالمین کو بھی، ان کے حواریین کو بھی اور مظلومین کو بھی۔ظلم و جبر زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتا، یہ سنتِ الٰہی ہے، لہٰذا ظالم سے زیادہ مظلوم کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں وہ اس مختصر سی دنیاوی زندگی کو عیش و مستی کے ساتھ گزارنے کے چکر میں ظالمین کی گود میں جا کر نہ بیٹھ جائیں۔ایسے حالات میں ظالم کے مقابلے میں مظلوم کا امتحان زیادہ ہوتا ہے اور اگر مظلوم ایمانِ خالص، صبر اور حکمت کے ساتھ ظلم کا مقابلہ کر لیتا ہے تو یقیناً وہی کام یاب ہوتا ہے۔ظلم و جبر کی تاریخ یہی بتاتی ہے۔تازہ مثال افغانستان کے بے تاج بادشاہوں کی ہے، جہاں جمہوریت سسکیوں اور ہچکیوں کے ساتھ اپنا آخری سانس گننے پر مجبور ہے۔

کشمیر کی گھاٹی کو ابوطالب کی گھاٹی (شعبِ ابی طالب) بنانے والوں کی ہاں میں ہاں ملانے اور اس کی جھوٹی تاویل کرنے سے بہتر تھا کہ دانش وران خاموش رہ کر ایمان کے تیسرے درجہ میں رہتے کیوں کہ کشمیری عوام کے زخم پر نمک چھڑکنے کا مطلب مظلوموں کی بددعا لینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اور مظلوموں، معصوم بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کبھی خالی نہیں لوٹاتا۔اپنے آپ کو تمام مسلمانانِ ہند کا قائد ثابت کرنے والے یہ 'سپہ سالاران' اگر فاشسٹ کے ساتھ ہاتھ ملانے میں عافیت سمجھ رہے ہیں تو یہ ان کی خام خیالی ہے کیوں کہ کشمیری زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔

میں آج زد پہ اگر ہوں، تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے، ہوا کسی کی نہیں

آدم، فرشتہ اور ابلیس

ابن مظفر فلاحی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

ربط : سابقہ آیتوں میں مؤمنین، کفار، منافقین اور فاسقین کا نیز ان کی نفسیات اور ان کے جرائم کا ذکر ہوا ہے۔ اب آیت ۳۰ تا ۳۹ حضرت آدمؑ اور ابلیس سے دوستی کا تذکرہ ہے۔ اس تذکرہ کے ذریعہ انسان کو یہ سمجھایا جارہا ہے کہ تمہارا رویہ ابلیس سے دوستی کا رویہ ہے۔ تم انبیاء کا انکار کرکے اپنے ازلی دشمن ابلیس کی مدد کررہے ہو، جو تمہیں اپنے ساتھ آگ میں لے جانا چاہتا ہے۔

ترجمہ آیت ۳۰ تا ۳۳:

پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ انہوں نے عرض کیا: ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لئے تقدیس تو ہم کررہے ہیں۔'' فرمایا: ''میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔'' اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: ''اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔'' انہوں نے عرض کیا: ''نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں، جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے والا اور سمجھنے کے سوا کوئی نہیں۔'' پھر اللہ نے آدم سے کہا: ''تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتادیے، تو اللہ نے فرمایا: ''میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے بھی میں جانتا ہوں۔''

تشریح وتوضیح:

- جب اللہ نے انسان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس کا تذکرہ فرشتوں سے یوں کیا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے جارہا ہوں۔
- خلیفہ کا لفظ سنتے ہی فرشتوں نے دو باتیں کہیں: پہلی بات یہ کہ وہ تو زمین پر فساد پھیلائے گا اور خوں ریزی کرے گا، دوسری بات یہ کہ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کررہے ہیں۔

یعنی خلیفہ کے لفظ کا مفہوم جو فرشتوں نے سمجھا وہ یہ کہ یہ ایک ایسی مخلوق ہوگی جو فساد وخوں ریزی بھی کرسکتی ہے اور تسبیح وتقدیس الٰہی بھی۔ تسبیح وتقدیس تو ہم ملائکہ کررہے ہیں، لہٰذا فساد فی الارض اور خون خرابے کی بھی قدرت رکھنے والی اس مخلوق کو پیدا کرنے کی آخر کیا حکمت ہے؟

- اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''۔ پھر اللہ نے فرشتوں کو آدمؑ کی پیدائش کی حکمت یوں سمجھائی کہ آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام اور اس کی خصوصیات سکھادیں۔ پھر فرشتوں سے پوچھا کہ تم ان اشیاء کی خصوصیات بتاؤ۔ فرشتے بتانے سے قاصر رہے، پھر اللہ نے حضرت آدمؑ سے پوچھا تو آدمؑ نے سب کے نام وخصوصیات بتادیے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں کے سامنے آدمؑ کی فوقیت واضح کی اور بتایا کہ میں اسے تعلیم دوں گا، جس کے سبب وہ زمین میں خلیفہ ہوگا یعنی میرے حکم کی تنفیذ کرے گا اور زمین کو فساد وخوں ریزی سے محفوظ رکھے گا۔
- اب ظاہر ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف سے عطاء کردہ علم (وحی) کی روشنی سے بے نیاز ہوکر زندگی گذارے گا تو زمین پر فساد وخوں ریزی کا ہی سبب بنے گا۔
- جب آدم کی برتری فرشتوں کے سامنے واضح ہوگئی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ۔ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ ابلیس نے انکار کیا، تکبّر کا رویہ اختیار کیا اور کافر ہوگیا۔
- اس واقعہ کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو بتادیا جائے کہ شیطان تم سے پیدائشی دشمنی رکھتا ہے۔ یہ پوری بنی نوع آدم کا دشمن ہے۔ اس نے آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ جس کے سبب یہ ملعون قرار دیا گیا لہٰذا یہ تم سے خوار کھائے ہوئے ہے۔ خدا کے پیغمبر کی مخالفت کرکے تم اس کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔

ترجمہ آیت ۳۵ تا ۳۹:

پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جھک جاؤ، تو سب جھک گئے، مگر ابلیس نے

انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہوگیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا کہ ''تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کا رُخ نہ کرنا، ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔'' آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا، جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔ اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی، جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا، کیوں کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ہم نے کہا کہ ''تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

تشریح وتوضیح:

● اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور حواؑ کو جنت میں سکونت اختیار کرنے کو کہا۔ جنت کی تمام نعمتیں کھانے پینے کی مکمل آزادی عطاء کی۔ صرف ایک درخت کے متعلق فرمایا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا، ورنہ ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔ جنت کی کروڑوں نعمتوں میں صرف ایک سے روکا یعنی ایک درخت کے علاوہ سب کے سب آدمؑ وحواؑ کے لیے حلال قرار دیے گئے، لیکن شیطان نے بہکا کر اسی ایک درخت کا پھل کھلوا دیا، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور حواؑ کو جنت سے نکال دیا۔

● ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بھی اللہ ورسول نے صرف چند اشیاء کے نام گنوا کر انہیں حرام قرار دیا ہے۔ بقیہ دنیا کی تمام چیزیں حلال ہیں، لیکن انسان انہی حرام کردہ چیزوں کی طرف بھاگتا ہے، انہیں ہی استعمال کرنا چاہتا ہے۔ شیطان اسے یہی راہ دکھاتا ہے اور یہ شیطان کی وہ چال ہے، جو اس نے حضرت آدمؑ وحواؑ کے ساتھ جنت میں بھی چلی تھی۔ شیطان انسان کو بہکا کر حرام چیزوں کی طرف ہی لے جانا چاہتا ہے۔ وہ انسان کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔

● اللہ تعالیٰ نے آدمؑ وحواؑ اور شیطان کو زمین پر بھیجتے وقت فرمایا کہ تمہارے درمیان عداوت ودشمنی رہے گی۔ یعنی شیطان انسان کا دشمن قرار پایا۔ اب شیطان کی کوشش اس دنیا میں صرف یہی ہے کہ انسان جو کہ جنت سے نکالا گیا ہے دوبارہ جنت نہ جا سکے۔ لہٰذا وہ اس بات کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ انسان کو حرام کی طرف راغب کیا جائے۔ وہ اشیاء جو خدا نے حرام کی ہیں، ان میں انسان کی رغبت پیدا کی جائے، تاکہ وہ انہیں استعمال کر کے جنت میں جانے سے رک جائے۔ لہٰذا جو بھی شیطان کے بہکاوے میں آ کر خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرے گا، خدا اسے شیطان کے ساتھ جہنم میں ڈالے گا۔ اب یہی کشمکش دنیا میں جاری ہے۔ شیطان انسان کو بہکا کر جہنم میں لے جانا چاہتا ہے اور خدا انبیاء کرام کو بھیج کر انسان کی ہدایت کا انتظام کرتا ہے، تاکہ انسان جنت میں جانے والے اعمال کرے اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے۔ اب یہ انسان کی مرضی ہے کہ وہ اپنے لیے کیا منتخب کرتا ہے؟ شیطان کا ساتھ دے کر جہنم میں جانا چاہتا ہے یا انبیاء کی اطاعت کر کے خود کو جنت کا حق دار بناتا ہے۔

● حضرت آدم علیہ السلام نے کچھ کلمات الٰہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی اور فرمایا کہ زمین پر جاؤ اور جو بھی میری طرف سے ہدایت آئے اسے تسلیم کرنا۔ تمہاری ذریت میں سے جو میری ہدایت کو تسلیم کرے گا، اسے کسی طرح کا خوف ورنج نہ ہوگا اور وہ جنت کا حق دار قرار پائے گا۔ جو ہماری وحی و ہدایت کا انکار کرے گا، وہ شیطان کا ساتھی ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

● اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے یہ بھی رہنمائی کر دی کہ اگر تم شیطان کے بہکاوے میں آجاؤ تو توبہ کرلو، جیسا کہ آدمؑ نے کیا تھا۔ ہم تمہاری توبہ قبول کریں گے اور شیطان ذلیل ورسوا ہوگا۔ جب بھی جتنی بار بھی نافرمانی ہوجائے فوراً پلٹ آنا، ہم ضرور تمہیں معاف کردیں گے۔

ایں درگہہ ما درگہہ ناامیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستن باز آ

● اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان کر کے انسان کو بتایا ہے کہ تم جنت سے نکالے گئے ہو۔ اگر تم جنت میں پھر آنا چاہتے ہو تو میری وحی کی اتباع کرو، شیطان کو دشمن سمجھو، اسے اپنا دوست نہ بناؤ کیوں کہ وہ تمہیں ذلیل ورسوا کردے گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اگر تم نے اسے اپنا دوست بنایا تو جان لو کہ دنیا میں بھی ذلیل ہوگے اور آخرت میں بھی تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ☆☆

حصولِ تعلیم کا مقصد

محمد مبشر خان

حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ "مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ" (جامع ترمذی)

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص علم اس لیے سیکھے کہ اس کے ذریعہ علماء کی برابری کرے، کم علم اور بے وقوفوں سے بحث وتکرار کرے یا اس علم کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔

دین اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نزولِ قرآن کی شروعات ہی پڑھنے سے ہوتی ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا ہے کہ لوگ جہالت اور تاریکی میں زندگی بسر کریں بلکہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ جہالت کی تاریکی سے نکل کر علم کی روشنی میں آئیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے۔ وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔'' قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کا ذکر کیا ہے۔ احادیث میں بھی جگہ جگہ اس کی اہمیت نظر آتی ہے۔ ہر موقع پر علم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ گود سے گور تک علم حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ عبادت پر علم کو فضلیت دی گئی ہے۔ ایک عابد کے مقابلہ میں ایک عالم کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ حسد کرنا اور دوسرے کی کسی نعمت پر رشک کرنا یہ سخت ناپسندیدہ ہے، لیکن دو آدمیوں کو قابل رشک کہا گیا، جن میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا تو وہ اسے پڑھتا پڑھاتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ انہی فضیلتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ علمی کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ لوگوں نے حصولِ علم کو رضائے الٰہی کا بہترین ذریعہ سمجھا۔ علم کو حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگیوں کو کھپایا تاکہ اس کے ذریعہ وہ اسلام کی بہترین انداز میں نمائندگی کرسکیں اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا جاسکے۔ لیکن جب امت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی، رضائے الٰہیٰ کے بجائے دنیا کا حصول ان کا مقصد بن گیا تو علم سے دور ہوتی چلی گئی اور اگر علم حاصل بھی کیا گیا تو وہ صرف حصول دنیا کے لیے۔ حضورؐ نے ایسے ہی حالات کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تم پر فتنے مسلط ہوجائیں گے تو دین کو دنیا حاصل کرنے کے لیے پڑھا جانے لگے گا۔ مذکورہ بالا حدیث میں ایسے ہی لوگوں کے انجام کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب امت کے علماء کی یہ صورتِ حال ہوجائے گی کہ علم کا حصول دوسرے لوگوں کی برابری کرنے کے لیے کیا جانے لگے یا کم علم اور بے وقوفوں پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے کیا جانے لگے تو ایسے عالم جہنم کے مستحق ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں اللہ کے رسولؐ نے ایسے حامل کتاب لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم میں ریاکاری اور دکھاوے کی وجہ سے جہنم کی ایسی وادی میں پھینک دیے جائیں گے، جس وادی سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ وہ علم جس سے جنت کا حصول آسان ہوسکتا تھا، اس کی وجہ سے علماء کو جہنم کے اندر پھینک دیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا: وَكُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ لَهُ ہر علم صاحب علم کے لیے وبال بن جائے گا، سوائے اس شخص کے جس نے اپنے علم پر عمل کیا۔

نصب العین سے انحراف

مصطفیٰ مشہورؒ

حقیقی مقاصد سے انحراف کرکے جزوی یا فروعی یا ایسے مقاصد اختیار کرنا جو حقیقی مقاصد سے میل نہ کھاتے ہوں، یہ ایک ایسا انحراف ہے، جسے سنگین انحراف میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس انحراف کے نتیجے میں خواہ مخواہ افراد کی توانائیاں اور کاوشیں ضائع ہوتی ہیں اور وہ صحیح اسلامی اور اس کے متوقع نتائج سے دور ہو جاتے ہیں۔

مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے حسن البناء شہیدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد اسلامی حکومت کے قیام اور خلافتِ راشدہ کی بازیابی کے ذریعہ اللہ کے دین کو اس زمین پر غالب کرنا اور سارے انسانوں تک اسلام کو پہنچانا ہے۔

حسن البناء شہیدؒ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے اپنے ایک رسالہ 'بین الامس والیوم' میں لکھتے ہیں:

''یاد رکھو کہ تمہارے لیے دو بنیادی مقاصد ہیں۔

۱۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ وطن اسلامی غیر اسلامی اقتدار سے آزاد ہو جائے اور یہ ہر انسان کا فطری حق ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

۲۔ آزاد اسلامی حکومت قائم ہو، جو اسلامی احکام کے مطابق کام کرے اور اس کے نظام اجتماعی کو نافذ کرے، اسلامی اُصولوں کا پہنچانے کا پرچار کرے۔ اس کی حکیمانہ دعوت لوگوں تک پہنچائے۔ جب تک ایسی حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک سارے مسلمان گنہ گار ہوں گے اور عنداللہ مسئول ہوں گے۔ اِسی طرح انہوں نے اپنے رسالہ الاخوان المسلمون تحت رایۃ القرآن (اخوان المسلمون قرآن کے زیر سایہ) میں بھی اپنی مہم اور مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''اجمالی طور پر ہماری مہم یہ ہے کہ ہم مادہ پرستانہ تہذیب کی سرکش موجوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ اس لیے کہ مغربی تہذیب صرف عیش وعشرت اور شہوت پرستی کی تہذیب ہے۔ اس خدا بیزار تہذیب نے مسلمان قوموں کو برباد کر دیا ہے اور انہیں نبی ﷺ کی پیشوائی اور قرآن کی ہدایت سے دور کر دیا ہے۔ ہم اس وقت تک اس کا مقابلہ کریں، جب تک کہ یہ ہماری سرزمین سے نکل نہ جائے اور ہماری قوم اس سے نجات نہ پالے بلکہ ہم آگے بڑھ کر خود اس کی سرزمین میں اس کا پیچھا کریں اور اس کے گھر میں اس سے جنگ کریں یہاں تک کہ سارا عالم نبی ﷺ کی پیشوائی قبول کرے پوری دنیا کو قرآن کی تعلیمات پر یقین ہو جائے اور اسلام کا سایۂ رحمت پوری دنیا میں پھیل جائے۔ اس وقت وہ مقصد پورا ہوگا، جو قرآن نے مسلمانوں کے ذمہ کیا ہے تاکہ شرک باقی نہ رہے اور اطاعت پوری کی پوری اللہ کی ہو۔''

حسن البناء نے اپنے رسائل میں متعدد جگہوں پر ان مقاصد کو بیان کیا ہے اس لیے کہ یہ وہ مقاصد ہیں، جن پر اسلام نے پورا زور صرف کیا ہے اور ان کی تکمیل کو ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے واجب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلیفہ کے تقرر کا اہتمام کیا یہاں تک کہ اس کام کی تکمیل کو رسول اللہ ﷺ کی تدفین پر مقدم رکھا۔ اسلام نے حکومت کو ایک رکن کی حیثیت دی ہے۔ نبی ﷺ نے اسے اسلام کے بندھنوں میں سے ایک بندھن قرار دیا ہے اور ہماری فقہ کی کتابوں میں اسے فقہی جزئیات اور فروع کے بجائے عقائد اور اصول میں شمار کیا گیا۔

ان مقاصد کو واضح کرنے کے بعد حسن البناءؒ پوری صراحت کے ساتھ کہتے ہیں: ''لیکن صورت حال جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی کے عملی نفاذ کے لیے کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔ اس لیے مسلمان مصلحین کا حکومت کے مطالبہ سے پہلوتہی کرنا اسلام کی نگاہ میں جرم ہے اور اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں اور قوتِ نافذہ کو اُن ہاتھوں سے لے لیں، جو اسلامی احکام کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔''

دعوتِ اسلامی کے مذکورہ بالا مقاصد سے انحراف کی ممکنہ صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ مقاصد کے حصے بخرے کرنا بہ ایں صورت کہ عبادت، ذکر، علم، دعوت اِلی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور نیک اعمال پر اکتفا کیا جائے اور شریعت، حکومت، جہاد، خلافتِ راشدہ کی بازیابی اور اللہ کے دین کے غلبے کے معاملے کو چھوڑ دیا جائے۔ ایسا کرنا دراصل اسلام کو مسخ کرنا ہے، اس کی حیثیت کم کرنا ہے، یہ اسلامی تعلیمات کی غیر صحت مندانہ تطبیق ہے۔ اگرچہ بعض جماعتوں نے اُن جزوی مقاصد یا ان میں سے کچھ کو اختیار کر رکھا ہے تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے اور اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ لیکن یہاں ہماری مراد اُن لوگوں سے ہے جو دعوتِ اسلامی کی راہ پر انہی مقاصد کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر اس کا سبب عافیت کوشی اور ظالم کی ایذا رسانیوں سے بچنا ہے تو یہ ایمان کی کمزوری ہے اور ایسا آدمی اللہ کے سامنے جواب دہی سے نہیں بچ سکتا۔ دوسرا یہ کہ ایسی ظالمانہ صورت حال میں جس میں اللہ کی شریعت کا نفاذ نہ ہوتا ہو، اس میں نہ علم ہی صحیح طریقہ سے ترویج پا سکتا ہے اور نہ ہی دعوت ٹھیک طریقہ پر دی جا سکتی ہے اور نہ ہی عبادت خالص ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت حال میں مسلمان ہمیشہ ذلیل اور غلام بن کر رہیں گے۔ اُن پر اور ان کی نسلوں پر ایسے گمراہ کن عقائد اور فاسد جاہلی عادات واطوار مسلط کیے جائیں گے جن سے ان کا علم انہیں نہیں بچا سکے گا اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے قوت کے طالب ہوتے ہیں اور وہی طاقت دینے والا ہے۔ اگر انحراف کا سبب یہ تصور ہے کہ ان مقاصد کا پورا کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں ہے یا فرض کِفایہ ہے تو یہ ایسی غلطی ہے جس کو درست کرنا ضروری ہے۔ جاننا چاہئے کہ اِن مقاصد کی تکمیل فرض عین ہے اور اگر مسلمانوں نے اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کام نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔

۲۔ مقاصد سے انحراف کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی ایک خطے میں اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا کیا جائے اور عالمی پیمانے پر اسلامی حکومت کے قیام کی نہ فکر کی جائے اور نہ اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا جائے اور نہ اس سلسلہ میں کسی سے کوئی تعاون کیا جائے تو یہ غلط ہے اور ہمارے اُس عہد و پیمان کے بھی صریحاً خلاف ہے جو ہم نے دعوتِ اسلامی کی راہ میں قدم رکھتے وقت کیا ہے۔ یہ مسلمانوں کی وحدت اور دعوتِ اسلامی کی عالمگیریت کے بھی منافی ہے اور باقی امت اسلامیہ سے الگ تھلگ ہونے کے سبب اس قسم کے لوگوں کا صفایا کرنا دشمنوں کے لیے آسان ہوتا ہے۔

۳۔ حکومت پر قبضے کو ہی ہدف بنالینا بھی دعوتِ اسلامی کے مقاصد سے انحراف کی ایک صورت ہے۔ اس کے نتیجے میں آدمی اسلوب اور وسائل کے استعمال میں صحیح اسلامی خطوط سے تجاوز کر جاتا ہے اور حکومت تک پہنچنے کے شوق میں بعض بنیادی اصولوں کی مخالفت کرتا ہے اور اس سلسلے میں معروف سیاسی جماعتوں کے طریقے پر چلتا ہے۔ یہ انحراف کمزور بنیاد کے باعث دعوتِ اسلامی کے کام کو بڑے سنگین خطرات یا مکمل تباہی سے دو چار کر دیتا ہے۔ اقامتِ دین اور اس کے غلبے کے لئے کام کرنے اور مجرد حکومت تک پہنچنے کے لیے کام کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ دونوں صورتوں میں استحکام و تسلسل کے لیے ناگزیر بنیادوں میں قوت اور اصلیت کے اعتبار سے آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

۴۔ مکمل اسلامی نظام کے قیام کے بجائے حکومت کے بعض شعبوں کو اسلامی بنانے پر راضی ہو جانا بھی ایک طرح کا انحراف ہے اس لیے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کے نفاذ میں حصے بخرے کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ گدھے کے پیر کو آدمی کے ہاتھ سے بدل دیا جائے تو گدھا گدھا ہی رہے گا، آدمی کا ہاتھ اس کو ہرگز تبدیل نہیں کرے گا۔ ہم کو اس طرح کے انحراف سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے اس لیے کہ دشمنانِ اسلام اسلامی حکومت کی بعض مسخ شدہ خالی خولی صورتوں کو پیش کر کے اسلامی بیداری کو ٹھنڈا کرنا اور اس کی لہر کو صحیح سمت سے پھیرنا چاہتے ہیں۔

قارئین سے گذارش

کسی بھی مضمون یا شمارہ کے بارے میں اپنی رائے سے ہمیں ضرور نوازیں۔ pdf یا مراسلہ ومضامین کی تصویر لے کر واٹس اپ یا ای-میل کریں۔

وہاٹس اپ نمبر/ای میل کا پتہ: nukushera@gmail.com/8266997613

علماء اکرام کا باہمی اتحاد

مولانا سلیمان قاسمی

علماء دین، علماء اسلام اور علماء قرآن وسنت سے زیادہ کون اس حقیقت سے واقف ہوسکتا ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام کا باہمی اتحاد کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ایمانیات کا تقاضہ اتحاد ہے، عبادت کا تقاضہ اتحاد ہے، اطاعت خدا واطاعت رسول کا تقاضہ اتحاد ہے، فریضۂ اقامت دین، فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تقاضہ اتحاد ہے، خیر امت، امت وسط اور امت مسلمہ ہونے کا تقاضہ اتحاد ہے، وحدت الٰہ، وحدتِ آدم، وحدت دین اور عقیدۂ آخرت کے پیش نظر وحدت منزل اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان مفصل اور ایمان مجمل کے تحت ”وحدت قیادت“ یعنی اتباع نبوی کا تقاضہ اتحاد ہے۔

یہ علماء کرام ہی ہیں جنھوں نے اپنے قلم اور اپنی زبان سے ہمیں قرآن مجید کے ذریعے اتحاد کی اہمیت بتائی۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاًولا تفرقوا (آل عمران:۱۰۳)** سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑلو، اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

اس آیت پر علامہ صابونی لکھتے ہیں: یعنی اللہ کے دین اور اس کی کتاب کو سب مل کر تھام لو اور اس سے ہٹو نہیں، اس سے جدا نہ ہو، اس سے متفرق نہ ہو اور دین میں اختلاف نہ کرو، جیسے تم سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا۔ (صفوۃ التفاسیر، جلد اول)

اس آیت پر علامہ نسفی لکھتے ہیں: قرآن کو تھام لو (اسے مضبوطی سے پکڑلو) کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: قرآن اللہ کی مضبوط رسّی ہے، اس کے عجائبات ختم نہیں ہونگے، کثرت سے پڑھنے اور استعمال کرنے سے پرانا نہیں ہوگا، جس نے اس کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا وہ ہدایت پاگیا، جس نے اسے تھام لیا وہ سیدھا راستہ پاگیا۔ آگے لکھتے ہیں: متفرق نہ ہوجاؤ، ایسے اعمال اور ایسے کام نہ کرو جس سے پھوٹ اور افتراق پیدا ہوتا ہے، اور جس سے ایکا اور اتحاد باقی نہ رہے، اور اختلاف کی بنا پر جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا، یا تم متفرق نہ ہوجاؤ جیسے تم جاہلیت کے زمانے میں متفرق تھے کہ باہم جنگ کرتے تھے۔ (تفسیر مدارک؛ جلد ا، ص ۱۲۷)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ قرآن مراد ہے، جیسا کہ حارث اَعْور کی حدیث میں قرآن کی صفت میں آیا ہے۔ وہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے اور اس کی صراط مستقیم ہے اور ابن مردویہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً قرآن اللہ کی مضبوط رسّی اور نور مبین ہے، اور نفع بخش سفارش ہے۔ جو اس کے مطابق فکر وعمل اختیار کرے اس کے لئے بچاؤ ہے، جو اس کی پیروی کرے وہ اس کے لئے نجات ہے۔

لاتفرقوا کی وضاحت میں لکھتے ہیں: ان کو حکم دیا گیا ہے جماعت سے وابستگی کا اور تفرقہ سے باز رہنے کا۔ اور متعدد احادیث تفرقہ کی ممانعت میں اور اجتماعیت کے ساتھ میل محبت سے رہنے کے حکم میں آئی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتا ہے اور تین چیزوں کو ناگوار جانتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ ۱۔اسی کی عبادت (بندگی وغلامی، اطاعت وفرمانبرداری، پوجا و پرستش) کرو اور اس کے ساتھ ذرا بھی شرک نہ کرو، ۲۔ یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت کرو (فرقہ فرقہ مت ہوجاؤ) اور ۳۔جو تمہارے معاملات کا ذمہ دار ہو (خلیفہ، قاضی، حاکم) اس کے ساتھ خیرخواہی کرو۔ اور یہ چیزیں ناپسند کرتا ہے (ان سے اس کا غصہ بھڑکتا ہے): ۱۔قیل وقال کرنا (کٹ حجتی کرنا، بال کی کھال اتارنا)، ۲۔کثرت سے سوال کرنا (بغیر ضرورت اور بلاوجہ سوالات کرنا) اور ۳۔مال ضائع کرنا

اس آیت پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں۔ اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے

جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں، اور اسی کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات اور فروع کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔ (تفہیم القرآن؛ جلد اول، ص ۲۷۶)

اس آیت سے پہلے والی آیت پر بھی ذرا غور فرمالیجئے۔

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اسے ڈرنے کا حکم ہے۔ (اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جیسا کہ اس سے تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے، اللہ کے عذاب سے، اس کے حساب اور پکڑ سے بچو، جیسا کہ اس سے بچنے کا حق ہے) اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو (آل عمران: ۱۰۲) یعنی اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑنے کا جو حکم اور افتراق و انتشار سے بچنے کی جو ہدایت آیت ۱۰۳ میں دی گئی ہے، وہ براہ راست ایمان کا تقاضہ ہے، براہ راست تقویٰ کا تقاضہ ہے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور مسلمان ہونے کے تقاضہ ہے۔ اسی طرح اس آیت ۱۰۳ میں اس مثبت اور منفی حکم (اللہ کی رسّی مضبوط تھامنے اور تفرقہ نہ کرنے) دینے کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس سے بھی ایکا اور اتحاد پر مزید روشنی پڑتی ہے اور اس کی اہمیت کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ اللہ کا دین اللہ کا احسان و کرم اور اس کی نعمت ہے۔

۲۔ اللہ کی نعمت اللہ کے دین کے ذریعہ یعنی اس پر مخلصانہ ایمان لا کر اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنا ہے۔

۳۔ اللہ کا دین ایسی نعمت ہے کہ اس پر ایمان لا کر، اس کے مطابق اپنا ذہن و فکر اور اپنا اخلاق و عمل ڈھالنے سے بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے اور ایمان لانے والے آپس میں بھائی بھائی ہو جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علماء کرام جو اتحاد کی اہمیت و افادیت کو جانتے ہیں بلکہ امت کو بھی خوب جانتے ہیں، وہ آپس میں متحد کیوں نہیں ہو جاتے اور کیا ان کے متحد ہونے کا امکان ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ علماء کرام بھی اسی ملت کے علماء ہیں جو دور تنزل سے گذر رہی ہے۔ دور تنزّل میں ہر قوم و ملت کے عوام اور علماء کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اصول و کلیات ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس جزئیات اور فروعات ان کی نگاہوں میں اہم ہو جاتی ہیں۔ اعلیٰ نصب العین سے وہ محروم ہو جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پست اور گھٹیا مقاصد کو وہ اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں۔ آج زوال کا شکار اور انحطاط سے دوچار امت مسلمہ کے عوام اور خواص حتیٰ کہ علماء اور حکمرانوں تک کا یہی حال ہے کہ وہ اعلیٰ مقاصد اور اعلیٰ نصب العین (اعلاء کلمۃ اللہ) اقامت دین اسلام کی دعوت و تبلیغ سے محروم ہیں اور گھٹیا مقاصد (مسلکی جزئیات، سیاسی مفاد، نسلی، خاندانی اور ملّی مسائل) کو اپنا نصب العین بنا بیٹھے ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ایمانیات میں توحید، رسالت اور آخرت کے مسائل اخلاقیات میں تمام بنیادی اخلاق، عبادات میں پانچوں نمازیں، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ اسی طرح معاشرت میں، معاش اور سیاست و اجتماعیت کی بنیادوں میں سارے علماء متحد اور متفق ہیں اور کیوں نہ ہوتے جب کہ قرآن مجید اور حضور نبی کریم ﷺ پر سب کا ایمان ہے، اس لئے اختلاف اور تفرقہ کی وجہ یہی ہے کہ علماء بھی تنزّل اور انحطاط سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔

علماء کا اتحاد جس قدر اہم اور ضروری ہے میرے نزدیک اس کے امکانات بھی اتنے ہی وسیع ہیں۔ علماء کو اگر یہ احساس دلا دیا جائے کہ آپ کے متحد ہوئے بغیر ملت متحد نہیں ہو سکتی اور آخرت میں ملت کے افتراق، انتشار اور پھوٹ کی جواب دہی آپ کو کرنا ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ علماء اپنے فکر و ذہن، اپنے اخلاق و کردار اور اپنی کوششوں سے ملت کے سامنے اتفاق و اتحاد کا نمونہ پیش نہ فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ آج بھی امت مسلمہ کے عوام علماء ہی کے ماتحت ہیں۔ دینی معاملات میں وہ علماء کو ہی سند اور مرجع قرار دیتے ہیں، اس لئے ملت کے اتحاد کے لئے علماء کا اتحاد ضروری ہے۔

تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ہر مسلک کو تسلیم اور برداشت کیا جائے۔ اور علماء کرام سے ان کے اپنے اپنے مسلک کو

چھوڑنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

۲۔ ان سے یہ کہا جائے کہ اگر آپ اپنے مسلک کو قرآن وسنت کے مطابق پاتے ہیں تو قرآن پر ضرور قائم رہیں مگر دوسرے مسلک علماء پر اور عوام پر کیچڑ نہ اچھالیں۔

۳۔ ان سے گذارش کی جائے کہ وہ قرآن وسنت کے اصول اور کلیات کو اہمیت دیں اور اپنے مسلک کے جزئیات کو قرآن وسنت کے اصول وکلیات پر ترجیح نہ دیں۔ مسلک کو مسلک ہی کا مقام دیں، اس کو دین نہ بنالیں۔

۴۔ برادران وطن میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کو اپنا نصب العین قرار دیں۔ اپنے مسلک کی دعوت دینے کے بجائے اسلام کی دعوت دیں۔

۵۔ برادرانِ وطن سے وہی بات کہیں جو حضور ﷺ ان سے کہتے تھے کہ **یاایھاالناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا**۔ اے لوگو! لاالہ الااللہ کے قائل ہوجاؤ فلاح پاؤ گے۔

غرض کہ ''اسلام کی دعوت وتبلیغ'' کو اگر مسلمان علماء، دانش ور، جدید تعلیم یافتہ حضرات، ادیب، شعراء، خطیب، لیکچررس، ''قومی اور ملی نصب العین'' کی حیثیت سے اختیار کرلیں اور عملاً اپنی زبان وقلم سے، اپنے پریس اور پلیٹ فارم سے، اپنے مدرسوں اور خانقاہوں سے، اپنے اسکولوں اور کالجوں سے، اپنی انجمنوں اور پارٹیوں کے ذریعے اور اپنے تمام ذرائع ووسائل سے کام لے کر اسلام کی دعوت دینے لگیں اور اپنے پیچھے چلنے والے عوام کو بھی اسی نصب العین کا گرویدہ بنائیں، اور اسی کام میں لگائیں تو ان شاء اللہ دعوت وتبلیغ کی اس مہم سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

● ایک اعلیٰ نصب العین کے لئے جدوجہد کرنے اور اس کے لئے اپنا تن من دھن کھپانے سے ان میں ایکا اور اتحاد پیدا ہوگا۔

● مسلکی تنگ نظری میں کمی آئے گی، جزئیات اور فروعات میں انہماک کم ہوگا، اصول وکلیات سے شغف پیدا ہوگا۔

● ملی وحدت کا تصور اجاگر ہوتا چلا جائے گا۔

● تبلیغ کا جذبہ اور داعیانہ اسپرٹ میں اضافہ ہوگا اور اس سے علماء اور عوام دونوں میں اپنی اصلاح کا احساس روز افزوں ہوگا۔

● دعوتی اور تبلیغی سرگرمیاں اور ضرورتیں مجبور کریں گی کہ قرآن وسنت اور تاریخ میں تبلیغی ودعوتی سرگرمیاں اور ان کے نتائج وفوائد کیا حاصل ہوئے ہیں اور کس طرح؟

● برادرانِ وطن سے دعوتی اغراض سے دوستی، میل میلاپ اور ربط وتعلق کی زیادہ سے زیادہ صورتیں تلاش کرنے احساس پیدا ہوگا۔

● حقوق طلبی کے بجائے ان کو حق سے روشناس کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ قومی کشمکش کے بجائے نفوذ کی راہیں تلاش کرنے کی فکر لاحق ہوگی۔

● علماء کرام، مشائخ عظام اور لیڈرس، امت مسلمہ کو داعی امت میں تبدیل کرنے میں لگ جائیں تو مسلمانانِ ہند آج جن مسائل، مصائب اور خطرات میں گھرے ہوئے ہیں ان کا جنگل آپ سے آپ کٹتا چلا جائے گا۔

● صرف مسلمانوں کے نہیں برادرانِ وطن کے اپنے مسائل، مثلاً ایک اعلیٰ نصب العین کا فقدان یا ذاتی واد اور اس کے خلاف نبرد آزما ہونا اور ایک دوسرے سے نفرت کا برتاؤ مثلاً چھوت چھات، اونچ نیچ، دلہنوں کو جلانا، روٹی، کپڑا، مکان اور معیار زندگی کو مقصود بنانے سے جو خرابیاں اور کرپشن بڑھ رہا ہے یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل بھی حل ہوسکیں گے کیوں کہ ان کا علاج اسلام اور صرف اسلام ہی کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ علماء اور عوام میں داعیانہ جذبہ اور تبلیغ کا جوش وہوش ہو۔ جو حضرات کسی طرح سے رہ نمائی کے مقام پر سرفراز ہیں وہ خود بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرنے میں لگ جائیں اور عوام کو بھی اس طرف لگائیں۔ ''نصب العین کا اتحاد علماء میں اتحاد پیدا کرے گا، علماء کے اتحاد سے عوام میں اتحاد پیدا ہوگا اور اس طرح ملت ایک داعی گروہ اور تبلیغ اسلام کی علم بردار ملت بنتی چلی جائے گی، ان شاء اللہ۔ اور اس طرح دنیا میں اقامت دین کی راہ ہموار ہوتی چلی جائے گی اور اسی طرح دوزخ سے نجات اور جنت سے ہم کناری بھی بفضلہ تعالیٰ نصیب ہوگی۔''

رہا طریق کار، نہج اور اپروچ کا مسئلہ تو علماء اور عوام کو کسی خاص طریقہ پر عمل کے لئے مجبور نہ کیجئے۔ علماء اپنے طور پر، مشائخ اپنے طور پر اور داعی اپنے طور پر قرآن وسنت اور تاریخ میں داعیان اسلام کے نقوش سے خود رہ نمائی حاصل کرکے جو بھی طریقہ اختیار کریں گے، ان شاء اللہ وہ کامیاب طریقہ ہوگا۔ دعوت وتبلیغ کی دُھن، جذبہ اور تڑپ پیدا کردیجیے، داعی اور مبلغ حضرات طریقہ خود تجویز کرلیں گے۔

''جو لوگ ہمارے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے راہیں وا کردیتے ہیں۔ (قرآن)

☆☆☆

قرآن علوم کا سرچشمہ

یاسر صدیقی

ترقی یافتہ دور میں جہاں ہمیں ہر دن کسی نئی شئے کی کھوج گوش گزار ہوتی ہے، وہیں ہماری سماعت ان نعروں سے بھی ٹکراتی ہے کہ تعلیم سے رشتہ جوڑو اور علم کے ذریعہ ترقی حاصل کرو اور یہ بات بالکل صحیح بھی ہے، کیوں کہ اسلام اس کی طرف آواز دیتا ہے۔

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا۔'' (سورۃ العلق:۱)

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا ہے:

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (الحدیث)

اس کے علاوہ بھی تعلیم کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمدؐ کے ذریعہ بہت سی باتیں فرمائی ہیں مگر اس وقت وہ موضوعِ بحث نہیں ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں تمہیدی باتیں اس لیے آئی ہیں کہ تعلیم کی بنیاد علم پر ہوتی ہے۔ تعلیم ایک Process کا نام ہے اور اس Process میں جو چیز پروسی جاتی ہے، وہ اگر علم ہے تو تعلیم 'تعلیم' رہے گی۔ علم کا سرچشمہ اللہ کی ذات مبارک ہی ہے۔ قرآن نے سورۃ البقرہ آیت ۳۱ میں فرمایا:

''اور اللہ نے آدمؑ کو تمام نام سکھا کر فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔''

اللہ اور بندے کا رشتہ خالق و مخلوق کے بعد جو بنا ہے، وہ علم کے سیکھنے اور سکھانے والا بنا ہے اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ آدمؑ اس دنیا کے پہلے انسان اور نبی ہیں۔ اللہ نے انہیں علم دیا اور اُس کے ذریعہ زندگی گزارنے کی ترغیب دی اور وقتاً فوقتاً اللہ نے رہ نمائی کی۔ اُسی طرح بعد کے انبیائے کرام تشریف لائے اور لوگوں کو اللہ کے دیے ہوئے علم کے ذریعہ اللہ کی طرف بلایا اور آخری نبی محمد ﷺ کو قرآن کے ذریعے علم دیا اور ذمہ داری دی کہ لوگوں تک اسے پہنچائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن دنیا میں موجود تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے: ''اور آسمان کو کس طرح اونچا کیا۔'' (سورۃ الغاشیہ:۱۸)

قرآن کی اس طرح کی آیتوں سے جو بات ذہن میں گردش کرتی ہے وہ یہ کہ اگر انسان آسمان، چاند، ستارے، سیارے، سورج اور کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو علمِ فلکیات کی پوری دنیا اس کے سامنے کھل کر آجاتی ہے۔ اسی طرح آگے کہتا ہے: ''اور پہاڑوں کو کس طرح گاڑ دیے گئے اور زمین کس طرح بچھا دی گئی۔'' (سورۃ الغاشیہ: ۱۹۔۲۰)

ان آیتوں کا مطالعہ ہمیں Geology اور اس کی مختلف شاخوں کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ معجزۂ قرآن ہے، جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ ان چیزوں پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

یا اسی طرح قرآن ان آیات کے بعد کہتا ہے: ''کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں۔'' (سورۃ الغاشیہ: ۱۷) دوسرے مقام پہ کہتا ہے: ''انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟'' (سورۃ الطارق:۵)

یہ آیتیں ہمیں سائنس کی اہم ترین شاخ 'بایولوجی' کی بنیادیں فراہم کراتی ہیں۔

قرآن خود اپنے اوپر غور و فکر کرنے کا بھی مطالبہ کرتا ہے: ''تمہیں کیا ہوگیا کہ تم قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔'' (سورہ محمد:۲۹) ایسا اس لئے کہ قرآن صرف یہ نہیں چاہتا کہ انسان صرف علوم کے لئے اس کی طرف رجوع کرے بلکہ اس کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ان علوم پر غور و فکر کر کے انسان اللہ کی طرف رجوع ہو، معرفتِ الٰہی حاصل کرے اور ان تمام علوم کو عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ بڑی ہی تابناک ہے جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ وہ قرآن پر غور و فکر کر کے اُس وقت کی ترقی یافتہ قوم بن گئے۔ اگر ہم ماضی کے مسلم سائنسدانوں کی تاریخ پر نظر دوڑائیں گے تو ہمیں ایک عجیب بات معلوم ہوگی کہ اُن میں کثیر تعداد اُن لوگوں کی ہے جو عالم، مفسر، فقیہ تھے اور ساتھ ہی علم فلکیات، علم الجبرا، علم ادویہ، علم جرّاحی وغیرہ کے بھی ماہر تھے۔ الغرض انہوں نے قرآن کو بنیاد بنایا اور ترقی کرتے چلے گئے۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن Ever Revealing Book اور قیامت تک کے لئے مشعل راہ ہے، بس ضرورت ہے اُس پر غور و فکر کرنے کی۔ آج دنیا 'ترقی یافتہ' اُسی خط کو یا اُنہی لوگوں کو کہتی ہے جو ریسرچ کی دنیا میں اپنا کمال دکھا رہے ہیں، حالاں کہ قرآن اس ریسرچ کے لئے ساڑھے چودہ سو سال سے آواز دے رہا ہے کہ غور و فکر کرو، غور و فکر کرو۔

تعلیم کے تین بنیادی اجزاء

معاذ احمد جاوید

نظامِ تعلیم کے تین لازمی اجزاء ہیں:

۱) معلم، ۲) متعلم، ۳) زبانِ تعلیم

معلم یعنی تعلیم دینے والا، متعلم مطلب تعلیم پانے والا اور زبان تعلیم سے مراد ہے وہ زبان جس میں تعلیم دی جائے۔ نظامِ تعلیم کے نتیجہ خیز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں اجزاء پر خصوصی توجہ دی جائے۔ اگر کسی ایک پر سے بھی خاطر خواہ توجہ ہٹالی جائے تو نظامِ تعلیم نتیجہ خیز نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا۔ ارشاد باری ہے: ''جیسا کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے وہ کچھ جو تم نہیں جانتے تھے۔ (البقرہ:۱۵۱)

معلم کے لیے ایک اہم بات اس آیت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن کو تعلیم دینا مقصود تھا، انہی کے ماحول سے تعلق رکھنے والے شخص کو معلم بنا کر بھیجا گیا، جو کہ ان کی طبیعت، میلانات ورجحانات، عادات واطوار، خوبیوں وخامیوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ لہٰذا معلم کے لیے یہ ایک اہم شرط ہے کہ وہ جسے تعلیم دے رہا ہے، اس کی فطرت، نفسیات، عادات واطوار سے اچھی طرح واقف ہو۔ اسی مفہوم کو سورہ اسراء آیت ۹۴ و ۹۵ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ''لوگوں کو ایمان لانے سے، جب کہ ان کے پاس ہدایت آگئی، صرف اسی بات نے روکا کہ وہ بولے کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔ تم کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے تو ان پر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

وہ تعلیم جس کا مقصد صرف 'سند' کا حصول ہو، ممکن ہے کہ اس کے لیے معلم کے انتخاب کی زیادہ ضرورت نہ پڑے۔ اسی لیے آڈیو، ویڈیو یا صرف کتاب بھی معلم کا کام انجام دے جاتے ہیں۔ لیکن جس تعلیم کا مقصد انسان کی تربیت اور اچھے معاشرے کی تشکیل ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ معلم کا انتخاب ان آیات کی روشنی میں کیا جائے۔ یعنی ایسا معلم جو متعلم کی عادات، اطوار اور نفسیات سے مکمل طور پر واقف ہو اس لیے کہ وہی افراد سازی اور معاشرے کی تشکیل کا حق ادا کرسکتا ہے۔

نظامِ تعلیم کا دوسرا جز متعلم ہے۔ متعلم کے متعلق بنیادی بات یہ ذہن نشین ہونی چاہئے کہ کسی کو جبراً کچھ نہیں سکھایا جاسکتا۔ یعنی جب تک سیکھنے والا کسی چیز کے سیکھنے پر آمادہ نہ ہو، آپ اسے کچھ بھی نہیں سکھا سکتے۔ لہٰذا معلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلم کے اندر سیکھنے کی رغبت پیدا کرے۔ یہ رغبت ہی اسے سیکھنے پر آمادہ کرے گی۔

قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ان میں بہت سے لوگ ہیں، جو تیری باتیں سنتے ہیں، مگر کیا تو بہروں کو سنائے گا خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں۔ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں، مگر کیا تو اندھوں کو راہ بتائے گا۔ خواہ انہیں کچھ نہ سوجھتا ہو۔'' (یونس ۴۲، ۴۳) یعنی صرف سر کی آنکھ اور کان سے کچھ فائدہ نہیں کیوں کہ جب تک دل کے کان اور دل کی آنکھیں کھلی نہ ہوں انسان ہدایت نہیں پاسکتا۔ دوسری جگہ فرمایا: لست علیھم بمصیطر کہ ''تم ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو''۔ اگر ان میں رغبت نہیں تو وہ اس کی سزا پائیں گے۔

لہٰذا تعلیم میں جبر سے کام نہیں چل سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کے لیے طلبہ کے اندر طلب ورغبت پیدا کی جائے۔ پھر طلب کی نیت جیسی ہوگی، تعلیم کی اثرات بھی ویسے ہی مرتب ہوں گے۔ مادے کا حصول، معاشرے میں حیثیت و پوزیشن کا حصول اگر تعلیم کا محرک ہوگا تو متعلم پر بھی اس کے ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے۔ اور اگر اس کا محرک خوفِ خدا، اعلیٰ اخلاق وکردار کا حصول اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہوگا تو یقیناً متعلم پر اس کے اثرات بھی یقیناً مختلف بلکہ اچھے ہوں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آج تعلیم کا مقصد ومحرک صرف مادے کا حصول اور معاشرے میں اپنی حیثیت

و پوزیشن بنانا ہوگیا ہے لہذا اس کے اثراتِ بد ہم نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ اس سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ پیسے کی قلت کے سبب ڈاکٹروں کے سامنے مریض دم توڑ دیتا ہے لیکن اس کے چہرے پر شکن تک نہیں آتی۔ وکلاء غریب و مظلوم کی دادرسی کے لیے مہنگی فیس لیتے ہیں لیکن انہیں ذرا بھی رحم نہیں آتا۔ اساتذہ اپنی کلاس کے بچوں کو اسکول میں اس لیے محنت سے نہیں پڑھاتے تاکہ طلبہ ان کے کوچنگ سینٹر میں پیسے دے کر کلاس میں پڑھائے گئے سبق کو سمجھیں۔ یہ بداخلاقی و بے رحمی معاشرے میں صرف اس وجہ سے ہے کہ تعلیم کا محرک صرف اور صرف مادے کا حصول رہ گیا ہے۔

نظامِ تعلیم کا تیسرا بنیادی جز زبانِ تعلیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم (ابراہیم:۴) "ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے، تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔"

کامیاب تعلیم کا انحصار اسی پر ہے کہ معلم کی بات کو متعلم کتنے واضح انداز سے سمجھ پا رہا ہے؟ اگر معلم کی بات کو طالبِ علم وضاحت سے نہ سمجھ سکے تو تعلیم مشکل اور پیچیدہ ہو جائے گی۔ اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کسی دوسری زبان کا رسول کسی دوسری زبان کے جاننے والوں کے پاس بھیج دیا جاتا تو وہ قوم اس کی بات کو سمجھ ہی نہیں پاتی۔ کم وقت میں جتنے واضح انداز سے انسان اپنی مادری زبان میں سیکھ سکتا ہے، اتنا کسی دوسری زبان میں نہیں سیکھ سکتا۔

آج انگلش میڈیم اور عربی کے اسکولوں کی بہتات ہے۔ بڑی بڑی فیس دے کر بچوں کو اسکول میں داخل کرایا جاتا ہے۔ زبانِ تعلیم غیر مانوس ہونے کے سبب بچوں پر نئی زبان کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے بچے کی ذہنی نشوونما اور سیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ وہ صرف حفظ کرتے ہیں، سمجھتے نہیں۔ نیز انگلش و عربی کے چند الفاظ و جملے سن کر والدین خوش ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچے مہمان کی تفریح اور رشک کے علاوہ کسی اور کام کے شاید ہی بن پاتے ہیں۔ برصغیر ہند و پاک کے علاوہ دنیا کی کوئی قوم و ملک ایسا نہیں ہے، جو اپنے بچوں کو غیر مادری زبان میں تعلیم دیتا ہو۔ ایران کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی اہم کتاب چھپتی ہے تو پہلے اس کا ترجمہ فارسی میں ہوتا ہے، پھر وہ وہاں کے بازاروں میں آتی ہے۔ خود بھارت کا اعلیٰ طبقہ جو ملک کو چلا رہا ہے، اس کے بچے بھی ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کرتے ہیں بھلے سے انہوں نے اپنی مادری زبان کو بدل کر انگلش کر لیا ہو یعنی گھر میں انگلش کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے بچوں کو یورپ و عرب ممالک یا ان کی کمپنی میں بطور نوکر پیسہ کمانے کی غرض سے تعلیم دلا رہے ہیں، وہی انگلش یا عربی میڈیم اسکولوں میں بچوں کو بھیجتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ ان باتوں کو عملی طور پر برتیں پھر دیکھیں کہ اس کا کتنا مفید نتیجہ نکلتا ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

فارم نمبر چار (Form (4

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت: پہلا منزلہ، بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے، سبھاش چوک، آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

کشمیر: بھارتی فسطائیت اور مضمرات

افتخار گیلانی

نریندر مودی کی بھارتی حکومت نے اپنے طور پر مسئلہ کشمیر ختم کرنے کے لیے آخری وار کر دیا۔ ان کے وزیر داخلہ امیت شاہ نے پارلیمنٹ میں بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور دفعہ ۳۵-اے کو ختم کر دیا۔ اس طرح ریاست کو تحلیل کرنے اور اس کو تقسیم کر کے مرکز کے زیر انتظام دو خطوں میں تبدیل کرنے کا قانون بھی پاس کیا۔ اب لداخ، جو مسلم اکثریتی ضلع کرگل اور بودھ اکثریتی اضلاع پر مشتمل ہے، وہاں اسمبلی نہیں ہوگی۔ ۹۰ کے عشرے میں اس خطے کی ۳۹ء۶۵ فی صد بودھ آبادی نے لداخ کو مرکز کے زیر انتظام علاقہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا، مگر اس خطے میں آباد ۴۶ء۴۰ فی صد مسلم آبادی نے اس کی شدید مخالفت کی۔ حیرت کا مقام ہے کہ دانش وَر حضرات اور میڈیا (جس میں پاکستانی میڈیا بھی شامل ہے،) لداخ کو بودھ اکثریتی علاقہ تصور کرتے ہیں۔

جموں و کشمیر بھی مرکز کے زیر انتظام ہوگا، جس میں اسمبلی تو ہوگی، مگر وہ دہلی و پانڈیچری اسمبلی کی طرز پر ایک میونسپل کارپوریشن کی طرح کام کرے گی۔ تمام تر اختیارات مرکز کے نمائندے گورنر کے پاس ہوں گے۔ کشمیر ایڈمنسٹریٹو سروس کو معطل کر دیا گیا ہے اور بیوروکریسی کا تعین مرکزی حکومت کرے گی۔ معروف دانش ور مزمل جمیل کا کہنا ہے ''کشمیر میں تاریخ کا پہیہ واپس ۱۸۴۶ء میں پہنچ گیا ہے، جب 'بیع نامہ امرتسر' کے بعد ڈوگرہ حکمران گلاب سنگھ نے سرینگر کی باگ ڈور سنبھالی''۔

ریاست جموں و کشمیر کو تحلیل کرنے اور اس کو بھارتی یونین میں ضم کرنے کے حکم نامے کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ حکمراں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے لیڈروں بشمول ہریانہ صوبہ کے وزیر اعلیٰ منوہر لال کھٹر نے اعلان کیا: ''بھارت کے کنوارے نوجوان اب کشمیر کی گوری لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کر سکتے ہیں''۔ اس طرح کی طنز آمیز آوازگی، جنسی اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے جملے بھارت کے گلی کوچوں میں سنائی دے رہے ہیں۔ کئی ساہوکار اور بنیے تو فون پر گلمرگ اور سونہ مرگ کی وادیوں میں زمینوں کے بھاؤ پوچھ رہے ہیں۔

۱۹۹۰ء کے عشرے کے شروع میں تعلیم اور روزگار کے لیے میں جب دہلی وارد ہوا، تو ایک روز معلوم ہوا، کہ کانسٹی ٹیوشن کلب میں ہندو قوم پرستوں کی سرپرست تنظیم راشٹریہ سیویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کی طلبہ تنظیم 'اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد' (ABVP) کی طرف سے کشمیر پر مذاکرہ ہو رہا ہے۔ بطور سامع میں بھی وہاں چلا گیا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک اعتدال پسند لیڈر ارون جیٹلی خطاب کر رہے تھے۔ وہ ان دنوں ابھی بڑے لیڈروں کی صف میں نہیں پہنچے تھے اور سپریم کورٹ کے زیرک وکیلوں میں ہی شمار کیے جاتے تھے۔ چونکہ وہ مقتدر ڈوگرہ کانگریسی لیڈر گردھاری لال ڈوگرہ کے داماد ہیں، اس لیے جموں و کشمیر کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ اپنے خطاب میں جیٹلی صاحب کا شکوہ تھا کہ: ''پچھلے ۵۰ برسوں میں مرکزی حکومتوں نے کشمیر میں غیر ریاستی باشندوں کو بسانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اگر ہندستان کے دیگر علاقوں سے لوگوں کو کشمیر میں بسنے کی ترغیب دی گئی ہوتی اور اس کی راہ میں قانونی اور آئینی پیچیدگیوں کو دُور کیا جاتا، تو کشمیر کا مسئلہ کبھی بھی سر نہیں اٹھاتا۔ اسی طرح کشمیریت اور کشمیری تشخص کو بڑھاوا دینے سے کشمیری نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو برتر اور الگ سمجھتے ہیں اور ہندستان میں ضم نہیں ہو پاتے ہیں''۔

اسی طرح مجھے یاد ہے کہ کانگریسی رہنما من موہن سنگھ کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں ایک بار پارلیمنٹ میں کشمیر پر بحث ہو رہی تھی۔ تب بی جے پی نے اتر پردیش کے موجودہ وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ کو بطور مقرر میدان میں اتارا تھا۔ تقریر ختم کرنے کے بعد وہ پارلیمنٹ کمپلیکس کے سینٹرل ہال میں آ کر سوپ نوش کر رہے تھے۔ میں نے جا کر ان سے کہا: ''آپ نے بڑی دھواں

دھار تقریر کر کے حکومت کے چھکے تو چھڑائے، مگر کوئی حل پیش نہیں کیا''۔

یوگی جی نے مسکرا کر کہا: ''اگر میں حل پیش کرتا تو ایوان میں آگ لگ جاتی''۔

میں نے پوچھا ''ایسا کون سا حل ہے کہ جس سے دیگر اراکین پارلیمان بھڑک جاتے؟''

آدتیہ ناتھ یوگی نے فلسفیانہ انداز میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا: ''مسلمان جہاں بھی اکثریت میں ہوتے ہیں یا ان کی آبادی کچھ زیادہ ہوتی ہے تو جہادی، جھگڑالو اور امن عامہ کے لیے خطرہ ہوتے ہیں''۔

ایک طویل تقریر کے بعد یوگی جی نے فیصلہ صادر کر دیا کہ: ''مسلمانوں کی آبادی کو کسی بھی معاشرے میں ۵ فی صد سے زیادہ نہیں بڑھنے دینا چاہیے۔ اس لیے ہندستان اور دیگر تمام ممالک کو مسلمانوں کی آبادی کو کنٹرول کرنے کے طریقے ڈھونڈنے چاہیے۔ ان کو مختلف علاقوں میں منتشر کر کے اور ان کی افزائش نسل پر پابندی لگا کر ہی دنیا میں امن و امان قائم ہوسکتا ہے۔ بس یہی مسئلہ کشمیر کا حل ہے۔ وہاں کی آبادی کو پورے ملک میں بکھیر کر وہاں بھاری تعداد میں ہندو آبادی کو بسایا جائے''۔

آج ان دو واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو کہ کس ذہنیت کے افراد بھارت کے تخت پر براجمان ہیں۔ بھارت میں اس وقت کی حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی جب سے وجود میں آئی ہے، وہ لگاتار تین نکاتی ایجنڈے پر انتخابات لڑتی آئی، بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر، یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ اور کشمیر کی آئینی خصوصی حیثیت ختم کرنا۔ اگرچہ اس سے قبل بی جے پی دوبار اقتدار میں رہی ہے، مگر اس نے عددی قوت کی کمی کے باعث ان تین ایشوز کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کیا۔ اب ۲۰۱۹ء میں اکثریت کے ساتھ اقتدار میں واپس آئی تو بی جے پی کے لیڈروں نے کہا کہ ''ہمارے کور ایجنڈے کو نافذ کرنے کا وقت آن پہنچا ہے''۔ ۲۰۱۴ء میں جب کشمیر میں مقامی پیپلز ڈیموکریٹک فرنٹ اور بی جے پی کے اتحاد سے مفتی سعید کی حکومت بنی، تو کہا گیا تھا: ''بی جے پی آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کشمیر کو دیے گئے خصوصی اختیارات کو موضوعِ بحث نہیں بنائے گی''۔ اور پھر دفعہ ۳۷۰ کے ساتھ دفعہ ۳۵-اے کو نشانہ بنایا گیا۔ دفعہ ۳۵-اے کے تحت غیر ریاستی باشندوں کو سرکاری نوکری حاصل کرنے، ووٹ دینے اور جائیداد خریدنے پر پابندی عائد تھی۔ اس دفعہ کے ختم ہونے کے نتائج دفعہ ۳۷۰ کے خاتمے سے بھی زیادہ خطرناک ہوں گے۔

مسلم دشمنی اور متعصب ذہنیت کے حامل افراد کو آئین کی اسی طرح کی اور شقیں نظر نہیں آتیں، جو بھارت کے دیگر علاقوں یعنی ناگالینڈ، میزورورم، سکم، اروناچل پردیش، آسام، منی پور، آندھرا پردیش اور گوا کو خاص اور منفرد حیثیت عطا کرتی ہیں۔ ان کے تحت وہاں بھی دیگر شہریوں کو غیر منقولہ جائیدادیں خریدنے پر پابندی عائد ہے یا اس کے لیے خصوصی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک پُراسرار کردار:

دفعہ ۳۷۰ اور ۳۵-اے کو دستور سے خارج کرنے کے موجودہ فیصلے سے قبل، آر ایس ایس نے ان دونوں دفعات کو الگ الگ ہائی کورٹوں میں چیلنج کیا تھا۔ بی جے پی کے جس عہدے دار نے جموں و کشمیر کے جموں بینچ کے سامنے دفعہ ۳۷۰ کو چیلنج کیا تھا، وہ صاحب اس وقت گورنر جموں و کشمیر کے مشیر فاروق خان ہیں۔ موصوف نے پولیس سے ریٹائر ہونے کے بعد بی جے پی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی ہے۔

یاد رہے مارچ ۲۰۰۸ء میں جب امریکی صدر بل کلنٹن نے دہلی کی سرزمین پر قدم رکھا تو جنوبی کشمیر کے گاؤں چھٹی سنگھ پورہ میں نامعلوم حملہ آوروں کے ہاتھوں ۳۶ سکھوں کا قتل عام ہوا تھا۔ فاروق خان ان دنوں پولیس کے اسپیشل آپریشنز گروپ میں ایس ایس پی تھے اور عمومی تاثر یہ تھا کہ واردات کے ذمہ دار یہی صاحب ہیں۔ کلنٹن کی بھارت موجودگی کے دوران اعلان کر دیا ''اس قتل عام کے ذمے دار لشکر طیبہ کے چاروں حملہ آور مار دیے گئے ہیں''۔ فاروق عبداللہ حکومت نے فاروق خان کو معطل کر کے جسٹس پانڈیان پر مشتمل عدالتی کمیشن کو سکھوں کے قتل کی تحقیقات کا حکم دیا۔ مگر وہ اس بارے میں پوری طرح کام تو نہ کر سکے تاہم جسٹس پانڈیان نے فاروق خان کو اُن چار افراد کے قتل کا حصہ دار بتایا، جنھیں 'دہشت گرد' قرار دے کر مار دیا گیا تھا۔ مگر پانڈیان کی ہدایت کے باوجود فاروق خان کو نہ تو الزام لگا کر قتل کیے جانے والے مقدمے میں ماخوذ کیا گیا اور نہ سکھوں کے قتل عام کے ضمن میں تفتیش کی گئی۔ ۲۰۰۳ء میں مفتی سعید حکومت نے بھی ان کے خلاف چارہ جوئی کی کوشش کی، لیکن جب ۲۰۰۸ء میں غلام نبی آزاد نے وزارتِ اعلیٰ سنبھالی تو نئی دہلی کے حکم پر فاروق خان کو بحال کر

دیا گیا۔فاروق خان کے خلاف سکھوں میں آج بھی شدید ردعمل پایا جاتا ہے۔

دفعہ ۳۵-اے

۱۹۴۷ء میں بھارت کی آزادی سے بہت پہلے کشمیر کے ہندو حکمران ہری سنگھ نے ایک حکم نامے کے تحت ''شہریت اور غیر منقولہ جائیداد کی خرید کے علاوہ ریاستی حکومت میں 'غیر ملکیوں' پر پابندی عائد کر دی تھی''۔ ۲۰/اپریل ۱۹۲۷ء کے ایک نوٹیفیکیشن میں راجا ہری سنگھ نے 'ریاستی عوام' کی وضاحت کی تھی اور اسی قانون کو بعد ازاں کشمیری اور بھارتی آئین میں شامل کر دیا گیا۔

کشمیری ہندو جنھیں 'پنڈت' کہتے ہیں، یہ قانون ان کے احتجاج کے ردعمل میں منظور کیا گیا تھا۔انھوں نے اس وقت 'کشمیر، کشمیریوں کا ہے' کا نعرہ بلند کیا تھا، کیونکہ پنجابی مسلمان انتظامیہ میں رسوخ حاصل اور زمینیں خرید رہے تھے۔لیکن ایک صدی گزرنے کے بعد کشمیری مسلمانوں کو وہی خدشات لاحق ہیں، جو ۱۹۲۰ء کے عشرے میں ہندوؤں کو لاحق تھے۔ ۱۹۲۰ء ہی کے عشرے میں ہندوؤں نے راجا ہری سنگھ کو اس قانون میں ایک اور دفعہ شامل کرنے پر زور دیا تھا ''اگر ایک کشمیری خاتون کسی غیر کشمیری سے شادی کرے تو وراثت کے حق سے محروم ہو جائے گی''۔

مؤرخ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنی کتاب Kashmir Saga (داستانِ کشمیر) میں لکھا ہے: ''کشمیر کے اندر غیر ملکیوں کا داخلہ بند ہے'' کا شور وغوغا بذات خود کشمیری پنڈتوں نے بلند کیا تھا۔مسلمانوں کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں تھی کیونکہ ہندو حکمران نے انھیں ریاستی ملازمتوں سے بے دخل کر دیا تھا اور وہ اس قدر غریب تھے کہ اپنے ہی وطن میں زمین کا ٹکڑا بھی نہیں خرید سکتے تھے۔مسلمان اکثریت غربت میں ہولناک زندگی گزار رہی تھی چیتھڑوں میں ملبوس، جن سے وہ بمشکل ہی اپنا بدن ڈھانپ سکتے تھے اور ننگے پاؤں۔ایک مسلم کسان کا حلیہ، ریاستی خزانے کے بھرنے والے ایک فرد کے بجائے محض ایک فاقہ زدہ بھکاری ہی کا نظر آ رہا تھا، جب کہ ہری سنگھ ہندو نواز پالیسی کا علَم بردار تھا۔جموں کے عوام، خاص طور پر راجپوت ہندوؤں نے زیادہ تر ملازمتیں حاصل کیں، جب کہ پنڈتوں کو پنجابیوں کی جگہ دفاتر میں کلرکوں کی حیثیت سے بھرتی کیا گیا۔ایک حکم نامے کے ذریعے پنجابیوں کی ہر سطح پر بھرتی روک دی گئی''۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز کا کہنا ہے کہ: ''اس پورے قضیے میں کشمیری مسلمانوں کی کسی کو کوئی فکر نہیں تھی، اور نہ کوئی ان سے رائے لی جاتی تھی۔ ملازمت کے دروازے کشمیری مسلمان پر بند تھے۔انتہائی خستہ حال اور غریب کشمیری مسلمان زیادہ تر کاریگر یا زرعی مزدور تھے۔سوسائٹی میں ہندو ہونا عزت و توقیر کی علامت تھی۔مسلمان کو صرف اپنے مذہب کی بنیاد پر حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا''۔جب ۳۵-اے کا یہ قانون بنایا گیا تھا تو اس وقت کسی کو مسلم خواتین کے حقوق یاد نہیں تھے۔ایک صدی بعد انہی کشمیری پنڈتوں نے اس قانون کو ہٹانے کا مطالبہ اس لیے کیا ہے کہ اب کشمیری مسلمان تعلیم یافتہ اور ترقی کی دوڑ میں ان کے ہم پلہ ہو گئے ہیں۔ یہ قانون جو ایک صدی قبل تک تو ٹھیک نظر آتا تھا، مگر اب پنڈتوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا''۔

'بھارت کے تکثیری کلچر اور تنوع میں اتحاد' جیسے نعرے مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو اور ان کے پیروکار دنیا میں بھارت بیچا کرتے تھے۔مرحوم شیخ محمد عبداللہ دفعہ ۳۷۰ کو کشمیری خواتین کے جسم پر موجود لباس سے تشبیہ دیتے تھے۔ان کی نیشنل کانفرنس کا کشمیر میں مقبول انتخابی نعرہ ہوتا تھا: ''ازء ہوند عزت فضء ہوند عزت، ترہت ستت ترہت ستت''۔ازء اور فضء کشمیر میں خواتین کے مقبول نام ہیں۔اس نعرے کا مفہوم تھا کہ خواتین کی عزت و آبرو ۳۷۰ میں ہے۔شیخ عبداللہ صاحب سے تو میری ملاقات نہیں ہو سکی، تاہم ان کے فرزند اور سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے جب بھی مکالمہ ہوا تو وہ آزادی پسند جماعتوں پر طنزیہ جملے کستے تھے: ''مسلم اکثریتی پاکستان میں ہم کشمیریوں کی انفرادیت کبھی کی ضم ہو گئی ہوتی، جب کہ بھارت کا جمہوری اور آئینی تکثیری معاشرہ ہی ریاست جموں و کشمیر کی وحدت اور ہماری کشمیری انفرادیت کا ضامن ہے''۔ ۵/اگست ۲۰۱۹ء کو امیت شاہ نے پارلیمان کے ایوان بالا یعنی راجیہ سبھا میں صبح ۱۱ بجے کشمیریوں کے تن بدن سے یہ زیر جامہ اُتار کر ان کو سرِ عام برہنہ کر دیا ہے۔ ہزاروں کلومیٹر دُور مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے بھرے بازار میں میری عزت بھی تار تار کر دی گئی ہو۔

دفعہ ۳۷۰

ممتاز قانون دان اور اُمورِ کشمیر پر گہری نظر

رکھنے والے دانش ور جناب اے جی نورانی کے بقول: ''آرٹیکل ۳۷۰ اگرچہ ایک عبوری انتظام تھا، کیوں کہ حکومت ہند کی، ۶۰ کے عشرے تک، یہ پالیسی تھی کہ جموں وکشمیر کے مستقبل کا فیصلہ استصواب رائے سے کیا جائے گا۔ ۱۹۴۸ء میں جموں وکشمیر پر حکومت کے وائٹ پیپر میں سردار پٹیل کا یہ بیان موجود ہے: الحاق کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت ہند نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ اسے بالکل عارضی مانتی ہے، جب تک کہ اس بارے میں ریاست کے لوگوں سے ان کی رائے نہیں معلوم کی جائے گی''۔

اے جی نورانی صاحب کے بقول: ''جن سنگھ کے بانی شیاما پرساد مکھرجی جن کا نام آرٹیکل ۳۷۰ کی مخالفت کرتے وقت بی جے پی اُچھالا کرتی ہے، انھوں نے اس کی مکمل حمایت کی تھی۔ بی جے پی اس وقت کے وزیر داخلہ سردار پٹیل کا نام بھی اس پروپیگنڈے کے لیے استعمال کرتی ہے کہ انھوں نے اس معاملے پر پنڈت جواہر لعل نہرو کی مخالفت کی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پٹیل نے بھی آئین کی اس دفعہ کی مکمل تائید کی تھی۔ اس خلط مبحث کے برعکس کشمیر واحد ریاست تھی، جس نے الحاق کے لیے اپنی شرائط پر حکومت سے مذاکرات کیے تھے۔ وہ ہندستان میں ضم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے الحاق کیا تھا۔ اس لیے بھارتی حکومت اور ریاست کے مطابق آرٹیکل ۳۷۰ دونوں کے درمیان ایک مقدس معاہدہ ہے، جس کی کسی شق میں کوئی بھی فریق یک طرفہ ترمیم نہیں کر سکتا۔ تاہم این گوپال سوامی نے ۱۶؍اکتوبر ۱۹۴۹ء کو اس سلسلے میں پہلی خلاف ورزی کرتے ہوئے یک طرفہ طور پر مسودے میں تبدیلی کو پارلیمنٹ کی لابی میں حتمی شکل دی۔ جیسے ہی شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کو اس تبدیلی کا علم ہوا، وہ دونوں ایوان کی طرف دوڑے، لیکن تب تک یہ ترمیمی بل پاس ہو چکا تھا، جو افسوس ناک اعتماد شکنی اور بداعتمادی کا معاملہ تھا۔ اگر اصل مسودہ پاس کیا جاتا تو ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کو اقتدار سے بے دخل کیا جانا ممکن نہ تھا۔

ترکی کی نیوز ایجنسی سے بات کرتے ہوئے اے جی نورانی کا کہنا ہے: ''سپریم کورٹ میں اس اقدام کو چیلنج کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ لیکن حکومتی فیصلے کی قانونی حیثیت کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے دورانیے اور وقت کے لحاظ سے بھارتی اعلیٰ عدلیہ کی رفتارِ کار کے مشکوک ہونے کا خطرہ موجود ہے۔ مودی حکومت نے بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ کی تمام دفعات کو منسوخ کرتے ہوئے دنیا کو حیران وششدر کر دیا تھا، جو جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کا ضامن ہونے کے علاوہ ہندو اکثریت میں اس کی مسلم شناخت کی حفاظت کرنے کا تحفظ بھی کر رہا تھا۔ اس دفعہ کے تحت بھارت کے ساتھ خطے کے پیچیدہ تعلق کی بھی وضاحت کی گئی تھی۔ ان حالات میں اپنی اعتباریت اور شفافیت قائم رکھنے کی خاطر بادی النظر میں بھارتی سپریم کورٹ پر لازم ہے کہ اس فیصلے کو کالعدم قرار دے''۔

نورانی کے خیال کے مطابق: ''ان دفعات کی منسوخی نے کشمیری آبادی کی بقا کے لیے خطرات پیدا کر دیے ہیں۔ دفعہ ۳۷۰ کو منسوخ کرنے کا بھارتی اختیار تو ۱۹۵۶ء میں کشمیر کی آئین ساز اسمبلی کی تحلیل کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ خصوصی حالات میں دفعہ ۳۷۰ سے مراد جموں وکشمیر کی شناخت کا اظہار تھا کہ جس میں اس کے بھارت سے الحاق کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اس دفعہ کو منسوخ کرنے کے ذریعے ہندو قوم پرست حکومت کا مقصد یہ نہیں کہ کشمیر کو بھارت کے ساتھ متحد کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کشمیری عوام کی شناخت ختم کی جائے''۔

نورانی نے کہا: ''قانونی لحاظ سے بھارتی پارلیمان کو یہ دفعہ منسوخ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس مقصد کی خاطر ریاست جموں وکشمیر کی آئین ساز اسمبلی کی منظوری ضروری تھی۔ ریاستی حکومت کی طرف سے کوئی بھی منظوری ہمیشہ سے منتخب اسمبلی کی حتمی منظوری سے مشروط رہی ہے۔ جب ریاست گورنر یا صدر راج کے تحت ہو، تب بھی کوئی یہ رضامندی نہیں دے سکتا۔ اس لیے مرکزی حکومت اپنے کٹھ پتلی نامزد فرد کے ذریعے یہ منظوری حاصل نہیں کر سکتی اور زمینی حقائق یہ ہیں کہ اس وقت جموں وکشمیر پر صدر راج نافذ ہے۔ حالانکہ بھارتی آئین نے ازخود یہ وضاحت کر دی ہے کہ ریاستی حکومت سے مراد ریاست میں وزرا کی ایک کونسل ہے۔ اور اس وقت تو کشمیر کے وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں وزرا کی کسی بھی قسم کی کوئی کونسل بھی موجود نہیں ہے''۔

نورانی صاحب نے مزید بتایا: ''کشمیر کی موجودہ صورت حال پر سری لنکا کی سپریم کورٹ کے نومبر ۲۰۱۲ء کے فیصلے کا اطلاق ہوتا ہے، جس میں اس نے سری لنکا حکومت کا فیصلہ مسترد کر دیا تھا، جسے صوبائی کونسل کی توثیق حاصل نہیں تھی۔ اُس وقت دو درخواستوں کے ذریعے

Divineguma Bill کو سری لنکا سپریم کورٹ کے روبرو چیلنج کیا گیا تھا کہ شمالی سری لنکا میں کسی صوبائی کونسل کی غیر موجودگی میں گورنر نے شمالی صوبے کی طرف سے قانون کی توثیق کی تھی۔ یہ درخواستیں 'تامل نیشنل الائنس' نے کی تھیں۔ یکم نومبر کو سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ گورنر صوبائی کونسل کی جگہ اس قانون کی توثیق نہیں کر سکتا''۔

اے جی نورانی کہتے ہیں کہ:'' آئین کی دفعہ ۲۴۹ کے تحت جاری کردہ 'صدارتی حکم نامہ' جس کا اطلاق کشمیر پر بھی کیا گیا، اس کا تعلق ریاست کی فہرست سے تھا اور مرکز کے مقرر کردہ گورنر نے اس کی توثیق کی تھی۔ یہ چالاکی لا سکریٹری کی مخالفت اور ریاستی کابینہ کی عدم موجودگی میں انجام دی گئی تھی۔ ۱۹۵۱ء میں کشمیر اسمبلی کے بدترین دھاندلی زدہ انتخابات کے انعقاد سے کشمیر میں بھارت کے جمہوری دعووں کی قلعی کھل گئی۔ انتخابی دھاندلیوں کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے گئے۔ تمام امیدوار بلا مقابلہ منتخب قرار پائے۔ یہ وہی اسمبلی تھی، جس نے ریاست کا دستور وضع کیا اور الحاق کے دستاویز کی توثیق کی تھی۔ یہ اسمبلی ریاست کی مستقبل گری اور اس کی حیثیت طے کرنے کے سلسلے میں دستور ساز اسمبلی کا درجہ رکھتی تھی۔ کشمیر کی اس آئین ساز اسمبلی کی حقیقت اور حیثیت کی قلعی خود اس وقت کے انٹیلی جنس سربراہ بی این ملک نے یہ کہہ کر کھول دی:''ان امیدواروں کے کاغذات نامزدگی کو مسترد کر دیا گیا، جو حزبِ مخالف کا کردار ادا کرنے کی اہلیت رکھتے تھے''۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الحاق کی مبینہ دستاویز کی توثیق اور کشمیر کے آئین کی منظوری کو کوئی عوامی تائید حاصل نہیں تھی''۔

یاد رہے امیت شا ایک اور منصوبے پر بھی کام کر رہے ہیں۔ اس کے تحت غالباً نومبر، دسمبر میں کشمیر میں ہونے والے برائے نام اسمبلی کے لیے انتخابات میں ہندو اکثریتی خطے جموں کی تمام نشستوں پر بی جے پی کے امیدواروں کو کامیاب بنانا ہے اور ساتھ ہی وادیِ کشمیر کی مطلوب نشستوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے، جن پر جموں اور دہلی میں مقیم کشمیری پنڈتوں کے ووٹوں کی رجسٹریشن کا کام سرعت سے جاری ہے، تاکہ ان کے پوسٹل بیلٹوں کے ذریعے ان علاقوں میں بھی بی جے پی کے امیدواروں کی کامیابی یقینی بنائی جائے۔ اس حکمت عملی کا مقصد ریاست میں مسلمان ووٹوں کو بے اثر کرنا ہے۔ کشمیر اسمبلی کی اب ۸۲ نشستیں رہ گئی ہیں۔ امیت شا نے پارلیمنٹ میں بل پیش کرتے وقت بتایا ہے کہ:''اسمبلی حلقوں کی از سرِ نو حد بندی ہوگی''۔ فی الحال ۳۷ نشستیں جموں، ۴۵ نشستیں وادی کشمیر خطے سے ہیں۔ کشمیر اسمبلی میں ۲۴ مزید نشستیں آزاد کشمیر و گلگت کے لیے مختص رکھی گئی ہیں، جو خالی رہیں گی۔ ان میں سے آٹھ نشستیں پاکستان سے ۱۹۴۷ء، ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں آئے ہندو پناہ گزینوں کے لیے وقف کی جائیں گی، تاکہ اسمبلی میں ان کی نمائندگی ہو اور ہندو ممبران کی تعداد میں بھی اضافہ ہو۔

کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت حکمران ہندو قوم پرست بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈران کی نظروں میں برسوں سے کھٹک رہی تھی۔ اس پارٹی نے صوبوں و مرکز کے اختیارات کے تعین کرنے والے سرکاری کمیشن کے سامنے صوبوں کو انتہائی حساس سکیورٹی کے علاوہ بقیہ سبھی اختیارات تفویض کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ حال ہی میں جنیوا میں بھارت کے سفیر نے سری لنکا کو مشورہ دیا تھا کہ:''وہ اپنے آئین کی ۱۳ ویں ترمیم کو جلد از جلد لاگو کر کے شمالی سری لنکا میں مقیم تامل ہندو اکثریت کو تحفظ اور پاور فراہم کرے''، یعنی اوروں کو نصیحت، خود میاں فضیحت۔ کشمیر چونکہ مسلم اکثریتی خطہ ہے، اس لیے بھارتی حکمرانوں کے نزدیک انسانی حقوق وہاں لاگو نہیں ہوتے۔ چین کے عالمی امور میں رویے اور بین الاقوامی میڈیا کی کوریج کی وجہ سے اپنی تمام تر معاشی قوت کے باوجود سفارتی محاذ پر بھارت ایک طرح سے دبی دبی پوزیشن پر چلا گیا ہے۔ اس لیے اب بھارت کی کوشش ہے کہ ستمبر ۲۰۱۹ء میں سرحدی تنازعے پر ہونے والے مذاکرات میں چین کو کوئی بھاری پیش کش کرے۔ سرحدی تنازعے سے متعلق دونوں ممالک کے خصوصی نمائندوں اجیت ڈوبھال اور چینی وزیر خارجہ وانگ ہی کے درمیان اس ملاقات میں بھارت چین کو بتا سکتا ہے : ''ریاست جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت دینے والی دفعہ ۳۷۰ کی وجہ سے ہی وہ لداخ خطے میں چین کے ساتھ سرحدی تنازعے کو سلجھا نہیں پا رہا تھا۔ جموں و کشمیر کی اس خصوصی حیثیت کے ختم ہونے کے بعد اب چونکہ بھارتی آئین کی سبھی دفعات کا اطلاق جموں و کشمیر پر ہوتا ہے، نیز لداخ اب براہِ راست نئی دہلی کے زیر انتظام آ گیا ہے، اس لیے اب چین کے ساتھ سرحدی تنازعات کو سلجھانا بھارت کے لیے آسان ہو گیا ہے''۔

چین کے سابق خصوصی نمائندے دائی بینگو نے ایک عشرہ قبل تجویز پیش کی تھی:''بھارت اگر لداخ کے علاقے میں 'اکسائی چن' کے دعوے

سے دست بردار ہوجائے تو چین بھی مشرقی بھارت میں اروناچل پردیش پر اپنا دعویٰ واپس لے سکتا ہے''۔ اس کے علاوہ بھارت گلگت اور 'سی پیک' کے حوالے سے اپنے اعتراضات کو بھی ختم کرنے پر تیار ہوسکتا ہے، تاکہ اس تجارتی راستے کو چین بھارت تجارت کے لیے برتا جاسکے۔ اگر ایسا ہوجاتا ہے اور چین کشمیر کے حوالے سے اپنے موقف کو لچک دار بنا کر بھارت سے مادی مفادات کو دو تین گنا بڑھا لیتا ہے تو پھر اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ پاکستان سے چینی تعلقات کا وہ بلند مقام متاثر ہو، جو گذشتہ ۶۰ برسوں سے بلند معیار پر چلا آرہا ہے۔ اس لیے پاکستان کو سفارت کاری کے میدان میں بڑی محنت اور حد درجہ ہوشیاری سے کام لینا ہوگا، جب کہ بھارت پہلے ہی مسلم دنیا میں سفارتی اور مضبوط معاشی پیش رفت کر چکا ہے۔

کشمیر کا مستقبل

آج کشمیری قوم کا تشخص اور اس کی انفرادیت پامال ہو چکی ہے۔ امن عالم کے دعوے دار ایک طرف افغانستان میں امن قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں، دوسری طرف خطے میں افغانستان سے زیادہ خطرناک ماحول پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے بھارتی حکومت کی طرف سے اٹھایا گیا یہ قدم فلسطین میں اسرائیلی جارحانہ کارروائیوں سے بھی کہیں زیادہ سنگین ترین ہے۔ پوری دنیا میں یہودی ایک کروڑ سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس سے آدھے ہی اسرائیل میں رہتے ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو بھی عرب ممالک یا پورے فلسطین کا آبادیاتی تناسب بگاڑ نہیں سکتے۔

ان کے برعکس کشمیر میں تو مقامی مسلمانوں کا مقابلہ ایک ارب ۱۰ کروڑ بھارتی غیر مسلموں کی آبادی کے ساتھ ہے، جو چند ماہ میں ہی خطے کا آبادیاتی تناسب بگاڑ کر کشمیری عوام کو اپنے ہی گھروں میں اجنبی بنا دیں گے۔ سابق بھارتی فوجیوں اور ریٹائرڈ بیوروکریٹوں اور ان کے اہل خانہ کو کشمیر میں بسانے کی مہم تو پہلے سے ہی جاری ہے۔ وزیراعظم مودی نے ایک دلیل یہ بھی دی: ''بیرون ریاست بیورکریٹ کشمیر جانے سے کتراتے ہیں، کیونکہ وہ اور ان کے اہل خانہ وہاں زمین نہیں خرید سکتے ہیں''۔ جب بھارت برطانوی سامراجی تسلط سے آزادی مانگ رہا تھا، تو ایک بار برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل نے کانگریسی لیڈروں کو مخاطب کرکے کہا: ''تم کو آزادی اس لیے چاہیے کہ دبے کچلے طبقوں اور مظلوموں پر حکومت کرکے ان کو دبا دو''۔

> **بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور دفعہ ۳۵-اے کے خاتمے کے ساتھ بظاہر کاغذوں میں ریاست جموں وکشمیر تحلیل ہوگئی ہے، مگر قانونِ قدرت تحلیل نہیں ہوسکتا۔ تاریخ کا پہیہ ساکت نہیں رہتا، یہ گھومتا ہے اور اس قوم کے لیے خاصا بے رحم ثابت ہوتا ہے، جو اکثریت اور طاقت کے بل بوتے پر کمزور اور ناتواں کی زندگیاں اجیرن بنا دے۔ ۱۹۸۴ء میں تہاڑ جیل میں پھانسی سے قبل مقبول بٹ نے کہا تھا کہ: ''میری بے بسی پر مت مسکراؤ، تم اپنی خیر مناؤ، کہ ظلم کی سیاہ رات جاتی ہے''۔ صرف چھے سال بعد ۱۹۸۹ء میں کشمیر نے کروٹ لی اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا!**

کشمیر ایک شدید صدمے سے دوچار ہے اور ابھی شاید ویسے ردعمل کا اظہار نہیں کر پائے گا، جس کی بظاہر توقع کی جارہی ہے۔ یہ ایک پُرفریب آتش فشاں کی سی خاموشی ہے۔ ۱۹۸۷ء کے انتخابی دھاندلی زدہ انتخابات کا بدلہ کشمیریوں نے ۱۹۸۹ء میں چکایا۔ کشمیر میں نئے مزاحمتی کلچر کا آغاز تو ہوچکا ہے، جس میں فکری مزاحمت کا مرکز مظلومیت کے بجاے تخلیقی سطح پر یادوں کو اُجاگر کرکے باوقار طور پر اُبھرنے کی صلاحیت حاصل کرنا ہے۔

بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور دفعہ ۳۵-اے کے خاتمے کے ساتھ بظاہر کاغذوں میں ریاست جموں وکشمیر تحلیل ہوگئی ہے، مگر قانونِ قدرت تحلیل نہیں ہوسکتا۔ تاریخ کا پہیہ ساکت نہیں رہتا، یہ گھومتا ہے اور اس قوم کے لیے خاصا بے رحم ثابت ہوتا ہے، جو اکثریت اور طاقت کے بل بوتے پر کمزور اور ناتواں کی زندگیاں اجیرن بنا دے۔ ۱۹۸۴ء میں تہاڑ جیل میں پھانسی سے قبل مقبول بٹ نے کہا تھا کہ: ''میری بے بسی پر مت مسکراؤ، تم اپنی خیر مناؤ، کہ ظلم کی سیاہ رات جاتی ہے''۔ صرف چھے سال بعد ۱۹۸۹ء میں کشمیر نے کروٹ لی اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا!

☆☆☆
☆☆☆

اکبر اعظم، ہندو احیاء پرستی کی کوشش اور مجدد الف ثانیؒ

منہاج الاسلام

کہا جاتا ہے کہ اگر مغل بادشاہ اکبر کا دور حکومت نہ ہوتا تو آج مسلمان اتنی بری حالت میں نہ ہوتے جتنے کہ وہ آج ہیں اور اگر اورنگ زیب کا دور حکومت نہ ہوتا تو جس حالت میں بھی مسلمان آج ہیں اس سے زیادہ بری حالت میں ہوتے۔

اکبر ۱۵۴۲ء میں سندھ کے ریگستان ''امرکوٹ'' میں اس وقت پیدا ہوا جب کہ اس کا باپ ''ہمایوں'' شیر شاہ سوری افغانی سے شکست کھا کر بھاگا پھر رہا تھا۔ ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر کی عمر ۱۳ر سال ۴ ماہ تھی۔ اکبر کو تخت پر بیٹھا دیا گیا اور اس کے اتالیق ''بیرم خان'' نے حکومت کا انتظام و انصرام سنبھالا۔ جب اکبر کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی اس وقت اکبر ۳ر طاقتوں سے محصور تھا:

۱۔ افغان: جن سے اس کا باپ شکست کھا کر بھارت سے جلاوطن ہو چکا تھا۔

۲۔ شیعہ: جن کا مرکز ایران تھا اور جن کی بدولت ہمایوں کو دوبارہ دہلی کا تخت نصیب ہوا تھا۔

۳۔ ہندو: جو اس ملک میں ۹۵ فیصد اکثریت میں تھے اور شاید شاہانِ گذشتہ کے رعب و شکوہ سے کھل کر تو سامنے نہیں آتے تھے مگر در پردہ مسلم سلطنت کے خلاف سازش کرتے رہتے۔ اکبر اپنے اتالیق بیرم خان کی سرپرستی میں نشوونما پاتا گیا۔ چوں کہ بچپن میں باضابطہ تعلیم و تربیت نہیں ہو پائی تھی اسلئے کچھ پڑھ لکھ نہ پایا بلکہ جاہل ہی رہا۔ لیکن اسے اسلام اور اصل اسلام سے بے انتہا محبت تھی۔ شیخ سلیم چشتیؒ سے بہت عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ جب اس نے فتح پور سیکڑی میں قلعہ اور شاہی محلات تعمیر کروائے تو شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے ساتھ ایک عبادت خانہ بھی تعمیر کروایا، جہاں ہر نماز جمعہ کے بعد اکبر اپنی جذباتی مذہبیت، خوش اعتقادی اور ذہنی تجسس کی تسکین کے لئے ایک دربار خاص منعقد کرتا جس میں مشائخ، علماء و فضلاء شریک ہوتے۔ یہ ذوق اتنا بڑھا کہ جمعہ کی پوری رات اس محفل میں گزر جاتی۔ اکبر خود تو پڑھا لکھا نہ تھا لہٰذا وہ اپنے وقت کے علماء کو غزالیؒ و رازیؒ سے بڑھ کر خیال کرتا تھا۔ لیکن ان علماء کے عادات و اطوار ایسے تھے جو اکبر کے بددین ہونے کا بنیادی سبب بنے۔

اکبر کے بددین ہونے یعنی دین الٰہی قائم کرنے کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے درباری علماء سے بے حد بدظن ہو گیا تھا۔ شیعہ سنی اختلافات، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اختلافات کو یہ علماء بادشاہ کے سامنے اس انداز سے پیش کرتے تھے کہ اکبر خود پریشان ہو جاتا۔ اسی دور میں شاہی دربار میں عیسائیوں کی آمد اور عیسائی پادریوں کا اثر و رسوخ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر ہند کے برہمن بھی ہندو لڑکیوں کو اکبر کے حرم میں داخل کرا کر اس کے ذہن پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ جودھا بائی اور بیربل اس کی واضح مثال ہیں۔

بادشاہ کے سامنے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے علماء ایک دوسرے کے پیر کھینچتے، ایک دوسرے کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے، بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر سناتے اور غلط سلط فتوے دیتے۔ ان تمام رویوں نے بادشاہ کو دھیرے دھیرے دین اسلام سے ہی بدظن کر دیا۔

مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری نے فریضہ حج کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حج کے

اسقاط کا فتویٰ دے دیا تھا۔ استدلال یہ تھا کہ خشکی کا راستہ قزاقوں کی وجہ سے پرخطر ہے، سمندر کے راستے فرنگیوں سے پروانۂ راہ داری لینے کی ذلت گوارا کرنی پڑتی ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ اور بی بی مریم کی تصویر چسپاں ہوتی ہے اور یہ بت پرستی کے مترادف ہے، اس لئے حج کے دونوں راستے مسدود ہو گئے ہیں۔

ایک قاضی خان بدخشانی تھے جنہوں نے بادشاہ کو سجدہ کرنے کے جواز میں فتویٰ دیا تھا۔ ایک اور صاحب ملا عالم کابلی تھے، انہیں عمر بھر افسوس رہا کہ یہ فتویٰ انہیں کیوں نہ سوجھا اور حریف علم وتفقہ میں ان سے کیوں بازی لے گیا۔

ایک شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے ملا ابوسعید تھے جنہوں نے داڑھی منڈوانے کی حدیث بنا کر بارگاہ شاہی میں پیش کر دی۔ انہیں کے خلیفہ تاج الدین ابن زکریا اجودھنی تھے جو صوفیا کے حلقے میں تاج العارفین کہلاتے تھے اور شیخ ابن عربی ثانی سمجھے جاتے تھے۔ یہ شرعی پابندیوں کے قائل نہ تھے، انہوں نے اسلام کے ساتھ ہندو مذہب کا جوڑ اور قرآن اور پرانوں میں باہمی مطابقت ثابت کی تھی۔

یہ علماء سو، جو کچھ دربار شاہی کر رہے تھے اس سے عوام اور علماء حق میں کافی اضطراب پایا جاتا تھا۔

کچھ علماء حق تو ہجرت کر کے مکہ، مدینہ یا دوسری طرف نکل گئے لیکن علماء کا ایک گروہ ایسا بھی تھا کہ جو ثابت قدمی سے جمارہا اور ان علماء سوء اور درباری فتنے کا مقابلہ کرتا رہا۔ ان میں مجدد الف ثانی اور شیخ فرید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ درباری فتنے کے ردِّ عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہار، بنگال وغیرہ میں اکبر کے خلاف مسلح بغاوت شروع ہو گئی۔ لوگ اکبر کو معزول کر کے اس کے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم حاکم کابل وبھارت کا بادشاہ بنانا چاہتے تھے لیکن یہ عوامی کوشش ناکام ہو گئی اور اکبر نے مسلح بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔

درباری علماء نے بادشاہ کو امیر المؤمنین بنا ڈالا۔ فتویٰ و دستخط کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ اکبر تمام مسلمانوں میں سب سے بڑا مجتہد مکلف ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ فروعی اختلافات میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکتا ہے بلکہ وہ نص صریح کو بھی منسوخ کر سکتا ہے۔ درباری علماء کی طرف سے اکبر کو دیئے گئے ان اختیارات نے گویا اکبر کو نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر نے دین الٰہیٰ کی بنیاد ڈال دی۔ اس کے بعد اکبر کے رضاعی بھائی خان اعظم مرزا عزیز نے، جو کہ اکبر کی بددینی پر احتجاج کرتا رہا اور ایک لائق جرنیل بھی تھا، ہندوستان چھوڑ کر مکہ معظمہ کی راہ لی اور وہاں سے خط کے ذریعہ اکبر کو نصیحت کرتا رہا۔

دین الٰہیٰ پر ایک نظر:

اکبر نے جس دین جدید کی بنیاد ڈالی اس کا نام 'دین الٰہیٰ' رکھا۔ اس کے کچھ مخصوص اصول تھے جو کہ فرنگیوں، پارسیوں اور ہندوؤں سے اخذ کئے گئے تھے۔

بدایونی کہتا ہے کہ فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی اور بادشاہ نے بعض عقلی اعتقادات ان سے لیں۔ نصاریٰ سے گھنٹہ بجانے نیز باپ، بیٹا، روح القدس کے تقدس کا تصور لیا۔ آگ خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار پائی۔ قشقہ لگایا جانے لگا، جنیو باندھا جانے لگا۔ سلام کے بجائے اللہ اکبر جل جلالہ کا شعار اختیار کیا گیا۔ خلیفہ الزماں اکبر نے اپنے پیروکاروں کے اخلاص و اطاعت کے لحاظ سے ۴ درجات مقرر کیے:

۱۔ ترک مال ۲۔ ترک جان

۳۔ ترک ناموس ۴۔ ترک دین

جو جتنے مدارج طے کرتا اتنے ہی اعزاز و تقرب کا مستحق قرار پاتا۔ سود، جوا و شراب نوشی کو حلال قرار دیا گیا۔ گائے کا ذبیحہ حرام قرار پایا، درندے وغیرہ حلال مانے گئے، سور کا گوشت مباح ٹھہرا۔ چچا، ماموں، خالہ کی بیٹیوں سے نکاح حرام قرار پایا۔ سولہ سال سے کم عمر لڑکے اور ۱۴ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔ تعدد ازدواج کی مخالفت کی گئی۔ عزت و ناموس، غیرت وحمیت کے احساس سے عاری کرنے کے لئے "مینا بازار" کا سلسلہ شروع کیا گیا، جس میں بیگمات، اہل حرم، خاص و عام پردہ نشین خواتین کو سیر و تفریح کی دعوت دی جاتی۔ مدارس اسلامیہ سے قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم ختم کر دی گئی۔ علم نجوم، حساب، طب و فلسفہ کو نصاب میں جگہ ملی۔ عربی حروف ثاء، حا، عین، صاد، ضاد، طا، ظا کے تلفظ کو برطرف کرنے کا حکم

صادر ہوا۔ غرض یہ کہ چند سالوں کے اندر یہ حالت ہوگئی کہ لوگ اپنے اقرارناموں میں اسلام سے بیزاری و برأت کا کھلم کھلا اعلان کرنے لگے۔

بدایونی لکھتا ہے کہ اکثر گمراہ مرزا جانی حاکم ٹھٹھ اور دوسرے مرتد امراء اپنے ہاتھ سے اقرارنامہ لکھ کر بادشاہ کے حضور پیش کرتے جس کا مضمون یہ ہوتا:

''میں فلاں بن فلاں برضا ورغبت مجازی تقلیدی دین اسلام سے جسے میں اپنے باپ دادا سے دیکھتا اور سنتا چلا آرہا ہوں، انکار کرتا ہوں اور دین الہیٰ اکبر شاہی میں داخل ہو کر اخلاص اور مراتب چہارگانہ یعنی ترک مال وجان و ناموس و دین قبول کرتا ہوں۔''

یہ تو شکست وتسبیح کا منظر تھا۔ کافروں کی پختہ زناری کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ''مان سنگھ'' کو بادشاہ نے اپنے دین کا قلادۂ اطاعت گردن میں ڈالنے کی دعوت دی تو اس نے بلاتامل جواب دیا کہ اگر مریدی سے حضور جاں نثاری مراد لیتے ہیں تو ہم اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ کسی اور طرح زمانے کی حاجت ہی کیا ہے؟ اور اگر اس سے منشاء کچھ اور ہے اور اس کا تعلق دین ومذہب سے ہے تو میں اعتقاداً ہندو ہوں۔ ارشاد فرمائیں تو میں مسلمان ہوجاتا ہوں، مجھے خبر نہیں کہ ان دونوں کے علاوہ تیسرا راستہ کون ہے؟

افق سے آفتاب اُبھرا

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

وہ شخصیت ہیں جن سے اللہ نے اکبر کے بگاڑ کی اصلاح کا کام لیا۔ فرد واحد اس فتنۂ دین الہیٰ کے خلاف بند باندھ کر کھڑا ہوگیا اور ہر سمت سے دفاع اسلام کی کوشش میں لگ گیا۔

حضرت مجدد کی ولادت باسعادت ۱۵۶۴ء میں بہ مقام سرہند میں ہوئی۔ اکبر کے فتنہ دین الہیٰ کے وقت مجدد الف ثانی کا زمانۂ شباب تھا اور ادھر یہ فتنہ دین الہیٰ بھی اپنی شباب پر تھا۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تین کام شروع کئے:

۱۔ شرک و بدعات کے خلاف محاذ کھلا اور براہ راست قرآن وسنت سے جڑنے کی دعوت دی۔ لوگ ظاہری پابندی شریعت کو اہمیت نہیں دیتے تھے، آپ نے اسے لازم قرار دیا اور اس کی مدلل تبلیغ کی۔

۲۔ علماء سوء، صوفیا، امراء، مصاحبین بادشاہ کی خطوط کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی تصوف کو عجمی خرافات سے پاک کرنے میں آپ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے خطوط تین ضخیم جلد میں شائع ہوچکے ہیں۔

۳۔ اقتدار کا رخ بے دینی سے موڑنے اور اکبر کے بنا کردہ دین جدید کو ختم کرنے کی کوشش یوں شروع کی کہ دربار کے امراء اور مصاحبین کے گھروں میں اپنا نفوذ پیدا کیا۔ ان کے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں خاص طور پر پلاننگ کے ساتھ شامل کرتے اور مرید کرتے۔ اپنے ایک مرید شیخ بدیع الدینؒ کو لشکر شاہی میں ارشاد و ہدایت کے لئے بھی بھیجا، جس کے نتیجے میں فوج اور فوجی آفسر آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے لگے اور اس نے بعد میں تبدیلی میں بڑا کردار ادا کیا۔

۱۶۰۵ء میں اکبر کی موت واقع ہوگئی اور یہ دین جدید جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ اب تخت نشینی کے معاملہ درپیش آیا۔ دین الہیٰ سے متاثر امراء وعلما اور ہندو اکبر کے بعد جہانگیر کے بجائے اس کے بیٹے خسرو کو تخت پر بیٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن اسلام پسند امراء جو کہ مجدد الف ثانی کے حلقۂ مریدین سے وابستہ تھے انہوں نے جہانگیر کی حمایت اس شرط پر کی کہ وہ برسر اقتدار آنے کے بعد اکبری دین کا قلعہ قمع کرے گا اور شریعت اسلامی کو رائج ونافذ کرے گا۔ لہذا جب جہانگیر نے یہ وعدہ لے لیا تو ان امراء ومصاحبین کی کوشش تیز ہوگئی اور انہوں نے جہانگیر کو تخت نشین کیا۔

جہانگیر نے اپنے قول وقرار کو اس طرح نبھایا کہ اکبری دین کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ اس دین کے پرجوش عقیدت منداور مبلغ تو اکبر کی زندگی ہی میں مرچکے تھے۔ اس طرح اس کا وارث نہ ملنے پر یہ دین اپنی موت مرگیا تاہم ملک وملت کی اجتماعی زندگی پر اس کے جو اثرات مرتب ہوچکے تھے وہ بدستور موجود رہے۔ مسلمان حاکم قوم ہونے کے باوجود مظلوم ومجبور تھے اور غیر مسلموں کی زیادتیوں کا ہدف بنے ہوئے تھے۔

شیخ احمد کے مرید بدیع الدینؒ، جو کہ لشکر شاہی میں ارشاد و ہدایت کا کام انجام دے رہے تھے، انہیں بڑی کامیابی مل رہی تھی جس سے ملحدین امراء کا کافی تشویش ہوئی اور انہوں نے شیخ احمد سرہندی کے خلاف مختلف اتہامات تراش کر ایک عام شورش کھڑی کر دی حتیٰ کہ قتل تک کا فتویٰ دے دیا۔

احمد سرہندی کو دربار میں بلایا گیا پوچھ تاچھ ہوئی لیکن علماء سو، اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم ترویج شریعت کے سلسلے میں جو احکام وقوانین نافذ ہوتے ان پر جزوی طور پر عمل ہو سکا۔ کچھ جہانگیر کی رند مشربی کچھ ملحد امراء کی مزاحمانہ تگ و دو، کچھ نور جہاں اور ان کے رشتہ داروں کا حکومت پر بڑا اثر ان سب نے مملکت میں کسی بڑے اور ہمہ پہلو انقلاب کو نہ آنے دیا۔ البتہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد کے نتیجے میں لشکر، دربار عناصر، اور خود شاہی خاندان میں ایسے عناصر مؤثر عنصر تیار ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر مملکت کے نظام کو پوری طرح اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

مجدد الف ثانیؒ کے وصال کے ۳ رسال بعد ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کا انتقال ہوا۔ پھر اکبر کے تخت پر شاہ جہاں اپنے بھائی شہریارؔ کو شکست دے کر بیٹھا جس نے اجتماعی زندگی کے دھارے کا رُخ بڑی حد تک اسلام کی طرف پھیر دیا۔

شاہ جہاں اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ درباری علماء سوء اور ہندو لابی چاہتی تھی کہ داراشکوہ کو ولی عہد بنایا جائے کیوں کہ وہ بھائیوں میں بڑا بھی تھا۔ داراشکوہ کی ذہن سازی بڑی حد تک علماء سوء اور ہندو برہمن کر چکے تھے۔ دارا کے تخت پر بیٹھنے کا مطلب تھا کہ عہدِ اکبری کی واپسی لیکن دربار میں مجدد الف ثانیؒ کے حمایتی بھی اپنا مضبوط مقام رکھتے تھے۔ اورنگ زیبؒ جو دینی مزاج رکھتا تھا، راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ وہ مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کا عقیدت مند تھا۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حمایتیوں نے اورنگ زیبؒ کا ساتھ۔ اورنگ زیب اور دارا شکوہ میں جنگوں کا بنیادی سبب بھی یہی تھا۔ اللہ کی مدد سے اورنگ زیب فتح یاب ہوا، باپ کو قید کر ڈالا، بھائی کو قتل کر کے حکم راں بنا اور پھر پورے ملک میں اسلامی قانون کا نفاذ عمل میں آیا۔ فتاوی عالمگیری اسی کاوش کا نتیجہ ہے۔

☆☆☆

اسلامی اصولوں کی خصوصیات

''مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر 93-1992ء میں مسلم نوجوانوں کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کا ایک رکن امریکہ کا سیاہ فام مسلمان تھا۔ جب وہ ہوٹل سے باہر جانے لگا تو اس کی بیوی نے حیرت سے پوچھا: ''کیا تم مجھے آج تنہا چھوڑ دو گے؟ جب کہ شادی کے بعد سے آج تک تنہا نہیں چھوڑا۔'' شوہر نے کہا، ڈرنے کی بات نہیں۔ ہم یہاں مسلمان ملک میں ہیں۔ کوئی بھی شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا، جیسا کہ وہاں ہوتا ہے۔ بلکہ تم سے کوئی ایک ایسا شخص بھی نہیں ملے گا جو تمہاری شخصیت کو الفاظ سے بھی ٹھیس پہنچائے۔ وہ محترمہ پورے حج کے زمانے میں کبھی تنہا اور کبھی شوہر کے ساتھ ہر جگہ برابر آتی جاتی رہیں۔ دونوں حالتوں میں انہیں عزت و احترام سے دیکھا گیا۔

امریکی وزیر خارجہ مسٹر روجرس نے 73-1972ء میں سعودی عرب کا دورہ کیا۔ وزیر موصوف اور ان کے ساتھیوں کو ان بکتر بند گاڑیوں کی ضرورت پیش نہیں آئی، جنہیں وہ اپنے ساتھ خصوصی طیاروں میں لائے تھے۔ یہی نہیں وزیر روجرس کو ان حفاظتی دستوں کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی جو عام طور پر بیرونی مہمانوں کے ساتھ متعین کیے جاتے ہیں۔ وزیر موصوف خریداری کے لیے بازار گئے، تن تنہا گئے اور اس احساس کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا: ''ان شہروں میں آدمی کو امن وسلامتی کا احساس ہوتا ہے، اسے حفاظتی دستے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔''

وید کیسے وجود میں آئے؟

سید حامد علی

رگ وید، منڈل ۱۰، سوکت ۹۰ میں ہے:

''اُس محیطِ کل یجیہ نام پرماتما سے رِگ، یجر، سام اور چھند پیدا ہوئے۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ وید یجیہ نامی دیوتا سے پیدا ہوئے۔

اتھروید ۱۱۔ ۷۔ ۲۰ میں ہے:

''بتلاؤ جس سکھمبھ سے انہوں نے رِگ منتروں کو کاٹ ڈالا اور جن سے یجر منتروں کو چھیل ڈالا اور سام منتر جس کے روم اور اتھروانگیرس جس کا منہ ہے، وہ کون ہے۔

اتھروید ۱۹۔ ۵۴۔ ۳ میں ہے: ''رچائیں (منتر) اور یجر (وید) کال سے پیدا ہوئے۔''

معلوم ہوا کہ وید کال نام دیوتا سے پیدا ہوئے۔

شت پتھ براہمن ۱۴۔ ۵۔ ۱۰ میں ہے:

''جس طرح مرطوب لکڑیوں میں آگ لگنے سے ان میں مختلف قسم کا دھواں اُٹھتا ہے، اُسی طرح مہادیو کی سانس سے رگ وید، یجروید، سام وید، اتھرو، انگیرس، اتہاس، پوران وِدیا، اپنشد، شلوک، سوتر اور مختلف قسم کی شرعیں پیدا ہوئیں۔''

اس اقتباس سے واضح ہوا کہ:

۱۔ وید مہادیو (ہندو میتھالوجی میں مہادیو شیو جی کا لقب ہے) کی سانس سے پیدا ہوئے۔

۲۔ ویدوں کی طرح ہندوؤں کی تمام مقدس مذہبی کتابیں مہادیو ہی کی سانس ہیں، البتہ جس طرح مختلف مرطوب لکڑیوں کا دھواں مختلف ہوتا ہے، اسی طرح ان کتابوں میں بھی اختلاف ہے۔

شت پتھ براہمن ۷۔ ۵۔ ۲۔ ۵۲ میں ہے:

''دل سمند رکی طرح ہے اور اس سمندر سے دیوتاؤں نے وَچن (کلمہ) کے کرچھلے سے کھود کر تیروِدیا یعنی رِگ وید، یجر اور سام تین ویدوں کو نکالا۔'' اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ وید تین ہیں، رگ وید، یجروید، سام وید۔

۲۔ ان تینوں ویدوں کو بہت سے دیوتاؤں نے دل کے سمندر سے کھود کر نکالا ہے۔

شیوتیاشوتر اُپ نِشد (ایک اور اُپ نشد) ۶۔ ۸ میں ہے:

جس ایشور نے سب سے پہلے برہما کو پیدا کیا اور جس نے اس کو ویدوں کا علم عطا فرمایا میں اُسی عقل و روح کے ظاہر کرنے والے ایشور کو بغرضِ حصولِ نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

اس اقتباس سے واضح ہوا کہ:

۱۔ ایشور نے سب سے پہلے برہما کو پیدا کیا۔

۲۔ ایشور نے برہما کو ویدوں کا علم دیا۔

منڈک اُپ نِشد کے منڈک ۔ ۱، کھنڈ ۔ ۱ کے پہلے اور دوسرے منتر میں ہے:

''برہما کائنات کا پیدا کرنے والا، دنیا کا محافظ، دیوتاؤں کے درمیان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ اُس نے برمھ ودیا (خدائی علم) جو جملہ علوم کی بنیاد ہے، اپنے بڑے لڑکے 'اتھروا' کو سکھائی، اُس نے وہی آموختہ ودیا قدیم زمانے میں انگرہ کو پڑھائی، انگرہ نے 'بھردواجی ستیہ واہا' کو اور ستیہ واہا نے 'پرا' اور 'اوراوڈیا انگرہ' کو تعلیم کی۔''

منڈک اُپنشد ۱۔ ۱۔ ۵ میں ہے:

''جاننے کے قابل دو ودّیائیں (علوم) ہیں، ایک اپرا (یا اورا)، دوسری پرا، رگ وید، یجروید، سام وید، اتھرو وید، شکشا، کلپ، ویاکرن، چھند اور جیوتش، یہ اپرا اور جس سے وہ لازوال برمھ جانا جاتا ہے وہ پَرا ودّیا ہے۔''

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے:

۱۔ برہما اللہ کا نام نہیں، ایک دیوتا کا نام ہے، جسے ہندو میتھالوجی کے مطابق اللہ نے پیدا کیا اور اس دیوتا نے ساری کائنات کو پیدا کیا۔ بالفاظِ دیگر اللہ نہیں، برہما خالقِ کائنات ہے۔

۲۔ برہما کائنات کا محافظ و نگراں ہے۔

۳۔ ویدہوں یا بقیہ کتابیں اور علوم، ان سب کا سرچشمہ برہما ہی ہیں اور انہی سے یہ علوم نسلاً بعد نسل لوگوں کی طرف منتقل ہوئے۔

۴۔ برمھ (برمھ کا لفظ برہما کے ہم معنیٰ نہیں ہے، نہ خدا یا دیوتا کے مترادف ہے۔ یہ اپنشدوں کی خاص اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ رُوحِ مطلق ہے جو پوری کائنات میں جاری و ساری ہے، جو عین کائنات ہے، نہیں۔ نہیں جو تنہا موجود ہے اور کائنات وہم و خیال ہے۔ اس کی معرفت ویدوں اور ریا اُن کے بتائے ہوئے اعمال (قربانی، یگیہ) وغیرہ سے نہیں بلکہ مراقبے اور ریاضت سے ہوتی ہے جس کا ذریعہ اُپنشدیں ہیں۔ اپنشد اس طرح ویدوں کا جزء ہوتے ہوئے ویدوں کا رد عمل اور اُن کی نفی ہیں۔) کی معرفت (گیان) کے سلسلے میں وید اور اُن سے متعلقہ کتابیں اور علوم بیکار ہیں۔ اس کے لئے ایک اور وِدیا

(علم) کی ضرورت ہے اور وہ 'پَرا ودیا' ہے، وید اور ان سے متعلق علوم کو اَپرا (یا اورا) ودیا کہتے ہیں۔

اوپر جو گزر چکا اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وید برہما جی کے ذریعے نہیں، مختلف رشیوں کے ذریعے ظاہر ہوئے اور اُن کے اس خیال کی تائید میں بھی سمرتی، پُران، نیرکت اور کوش وغیرہ کی عبارتیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً پنڈت شیووت شاستری کسی سمرتی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ایشور میں موجود وید مع اُس کے انگوں کے، قیامت کبریٰ (پَرلے) کے بعد (مختلف) رشیوں نے اپنے اپنے اعمالِ سابقہ کے مطابق حاصل کیے۔''

ہریٔ ونش پوران، ادھیائے ۷، اشلوک ۵۰ سے ۵۳ تک میں ہے:

''منتر اور ودیا کرن اُن عالم علوی یا جنت میں رہنے والے سات رشیوں کے تپ یعنی ریاضت کا نتیجہ ہیں، جنہیں دنیادار لوگ ماضی، حال اور مستقبل، تینوں زمانوں میں صاحبِ منتر و دیا کرن اور باحشمت سمجھ کر سرنگوں ہوتے ہیں۔ یہ ساتوں رشی، سات اوصاف سے متّصف، عمر دراز، منتروں کے مصنف و مالک کہے جاتے ہیں۔''

سنسکرت ہندی کوش، صفحہ ۶۰۹ میں (Veda Dhip Puran) کو لکھ کر اس کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے:

''ویدوں کے مالک چار شخص ہیں، بِرہسپتی، بھرگو، بھوم اور بدھ۔''

نیرکت ۱۔۲ میں ہے:

''جو رِشی وید منتروں کے حقیقی مطالب کو جانتے تھے، انہوں نے وہی مقاصد اپنے سے ادنیٰ رشیوں کو سمجھانے چاہے، مگر چوں کہ سمجھنے والے ادنیٰ رشی تھے، اس لئے اعلیٰ رشیوں نے وہ مقاصد انہیں سمجھانے سے کچھ نفرت ظاہر کی، بنابریں اُن ادنیٰ مرتبے کے رشیوں نے اُن مقاصد و مطالب کو جاننے کے لیے نگھنٹو، وید اور وید کا دیا کرن مع دیگر انگوں کے بذاتِ خود تیار کر لیے۔''

میمانسا کا مصنف پہلے تو سمرتیوں (سمرتیاں ویدوں کی طرح خدائی کلام نہیں، علما اور رشیوں کی تصنیف کردہ خیال کی جاتی ہیں، قانوں ویدوں میں نہیں، سمرتیوں میں ہے) کو غیر مستند ماننے والوں کا قول اس طرح نقل کرتا ہے:

''دھرم کا سرچشمہ وید ہے، وید کے علاوہ سب کچھ غیر مستند اور قابل ترک ہے کیوں کہ وہ خدائی کلام نہیں۔''

اس کے جواب میں میمانسا کے مصنف لکھتے ہیں: ''سمرتیاں یقینی طور پر مستند ہیں کیوں کہ ویدوں اور سمرتیوں (دونوں) کے بنانے والے برابر ہیں۔''

معلوم ہوا کہ سمرتیوں کی طرح ویدوں کو بھی رشیوں نے بنایا ہے۔

یَاسک منی کا قول ہے: Yasya Vaakya Satryash

اور رِگ وید کی انوکرمنیکا نامی کتاب میں ہے:

Yasya Vakiya Mas Rishi

ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے یعنی ''جس کا کلام وہی رشی ہے''۔

ان دونوں عبارتوں سے بھی واضح ہوا کہ وید رشیوں کا کلام ہے۔ یہی نہیں، اتیریے براہمن ۶۸۔۱۔۱، پنچ ونش براہمن ۱۳۔۳۔۱۴ اور رگ وید ۱۰۔۲۹۔۱۴، ۹۹۔۱۱۴۔۲، ۱۔۱۳۰۔۶۸ اور ۵۔۲۔۱۱ وغیرہ میں ''کرت'' کا لفظ بہت استعمال ہوا ہے، جس کے معنی (منتر) بنانے کے ہیں۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ وید کے منتر خدا کی طرف سے الہام نہیں ہوئے، نہ برہما یا کسی اور دیوتا کے منہ سے نکلے بلکہ رشیوں نے تصنیف کیے۔

سوامی ہرپرشاد جی عرف ویدک منی نے اپنی کتاب ''وید سروسو'' میں صفحہ ۲۵، ۲۶ پر ویدوں کے الفاظ ستوتر، برہم اور اُکتھ لفظوں کو ''سوکت'' (سلسلہ مضمون کے لحاظ سے ایک رشی کے مکمل بیان کو 'سوکت' کہتے ہیں) کے ہم معنیٰ بتلاتے ہوئے کئی ایک وید منتروں کے ٹکڑے نقل کیے ہیں، جن سے وید منتروں کا بنانا ہی ثابت ہوتا ہے۔ چند مثالیں آپ بھی ملاحظہ فرمالیں:

''ہم نے اِندر کے لئے اپنی عقلوں کے مطابق ہی ''ستوتر'' کہا ہے۔'' (رگ وید: ۶، ۳۴، ۵)

''ہمارے اس ستوم (سوکت) کو قبول فرما'' (رگ وید ۱۔۴۴۔۱۴)

''اے بارانِ راحت کے برسانے والو! ہم آپ کے لئے برہم (سوکت) بنائے ہوئے'' (رگ وید ۱۔۱۱۸۔۱۷)

''اے معصیت ونافرمانی کی طاقتوں کے فنا کنندہ! میں نے آپ کے لئے نیا برہم (سوکت) بنایا ہے۔'' (رگ وید: ۴۰۔۲۶۔۲۱)

''اے باراں کے عطا کرنے والے! آپ ہمارے اِن نئے اُکتھوں (سوکتوں) سے'' (رگ وید: ۱، ۱۳)

گویا خود ویدوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ویدوں کے منتر رشیوں کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ منتر انہوں نے مختلف دیوتاؤں کی تعریف میں انہیں خوش کرنے کے لیے تصنیف کیے ہیں۔

(ویدوں میں مختلف منتروں کے ساتھ رشیوں کے نام درج ہیں۔ گویا یہی لوگ ان کے مصنف ہیں، مگر سوامی دیانند سرسوتی انہیں منتروں کا شارح بتاتے ہیں: ستیارتھ پرکاش؛ باب ہفتم ص ۱۹۱)

(جاری)

اپنی مظلوم بیٹی کے نام!

علامہ یوسف القرضاوی

میری چہیتی بیٹی 'علا'، میرے جگر کے ٹکڑے، میرے دل کی زندگی، میری روح کی ٹھنڈک، میری پیاری بیٹی! تم پر میرا دل نثار ہے، میرے دل کی ساری محبت نثار ہے، میری محبت کی ساری صداقت نثار ہے اور میری صداقت کا سارا خلوص نثار ہے۔ میری پیاری بیٹی! سو دن سے زیادہ ہو گئے، تمھیں باغیوں اور سرکشوں کی جیلوں میں رہتے ہوئے۔ آہ! مظلوم کے اُوپر ظلم کے دن کتنے بھاری گزرتے ہیں، ایک دن ایک برس کے برابر لگتا ہے۔ مگر تسلی رکھو، اللہ نے چاہا تو ظلم کے یہ دن بھی ختم ہوں گے۔ تم اور تمہارے شوہر اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں کے درمیان ضرور لوٹو گے، اس کی سلامتی تم پر سایہ فگن ہوگی اور اللہ کی رحمت کی تم پر بارش ہوگی۔ تم نے سوچا ہوگا کہ ظالموں کا دھیان تمھاری طرف نہیں جائے گا، کیوں کہ تم ہمیشہ ان سے دُور رہی، نہ ان کے ملک میں پیدا ہوئی، نہ ان کے اسکول اور کالج میں داخلہ لیا، نہ ان کے محکمے میں نوکری کی، پھر ان سے تمہارا کیا لینا دینا؟

تم ایک بیوی ہو، ایک ماں اور ایک دادی ہو، ایک امن پسند عورت ہو، اپنے ملک کے سفارت خانے میں ملازم ہو، جس کی تمہارے پاس شہریت ہے، ان کا تمھاری ملازمت سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر تمھارا سیاست سے بھی کوئی تعلق نہیں رہا، البتہ تمہارے شوہر کا سیاست سے ضرور تعلق رہا، مگر وہ بھی کسی ممنوعہ پارٹی سے نہیں، بلکہ وسط پارٹی سے، جو ملک کی ہر طرح سے تسلیم شدہ اور قانونی پارٹی ہے۔ اس کے باوجود تمہارے شوہر کو ان ظالموں نے دو سال سے زیادہ عرصہ جیل میں بند رکھا۔ عدالت میں مقدمہ چلایا، جب کچھ نہیں ملا تو پھر کافی عرصے بعد رہا کیا اور اب پھر انھیں جیل میں ڈال دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ تمھارے شوہر ہیں۔ ہر انسان اصولی طور سے قانون کی نگاہ میں بے گناہ ہوتا ہے۔ ہر قانون میں ہر ملزم بھی بے گناہ ہوتا ہے، جب تک کہ منصف عدالت اسے مجرم قرار نہ دے دے۔ اس کے بعد بھی اسے اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اعلیٰ عدالت بھی اس وقت تک اُس کے ساتھ ہوتی ہے، جب تک اس کی بے گناہی یا جرم کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہر چیز سے باخبر ہے۔

میری بیٹی! آخر یہ ظالم تمہارے ساتھ ایسی سنگ دلی کا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے تم کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں تنہا کیوں قید کر رکھا ہے۔ جہاں یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ کب دن کا اُجالا آیا اور کب رات کی تاریکی اُتری؟ بلکہ میرا سوال یہ ہے کہ تم کو قید ہی کیوں کیا گیا اور عدالتی کارروائی کے دوران تمہارے خلاف اس قدر پروپیگنڈا کیوں کیا گیا؟ تم کو بنیادی حقوق سے کیوں محروم رکھا گیا؟ نہ کوئی تم سے مل سکتا ہے اور نہ تمہاری صحت اور دوا کا کوئی خیال اور انتظام ہے۔ تم نے تو کوئی بڑا گناہ تو کیا؟ کوئی چھوٹا گناہ بھی نہیں کیا۔ نہ دین کے معاملے میں اور نہ دنیا کے سلسلے میں۔ نہ کسی مظاہرے میں حصہ لیا اور نہ کسی مہم جوئی میں شریک ہوئی۔ کتنے سال سے تم اس ملک میں رہتی بستی، ضابطے اور قانون کے مطابق سفر بھی کرتی رہیں، تمہارے ریکارڈ پر کبھی کوئی حرف نہیں آیا، پھر اب ایسا کیا ہو گیا؟

لگتا ہے کہ اچانک انہیں یاد آ گیا کہ تم قرضاوی کی بیٹی ہو۔ میری بیٹی! تمہارا باپ بھی کون ہے؟ زندگی بھر دنیا والوں کے بیچ دین کا دامن تھامے چلتا رہا، لوگوں کو دین سکھانے کا کام کرتا رہا، داعی اور معلم، شاعر اور مصنف۔ کبھی اپنی اُمت کے ساتھ اس نے خیانت نہیں کی۔ کبھی اس نے اپنی اُمت کے مشن کے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔ جب سے لوگوں نے اسے جانا ہے اور نوے سال سے زیادہ عمر ہو جانے تک زندگی میں ایک بار بھی اس نے اپنی اُمت کو کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تمام براعظموں کا سفر کیا، سارے اہم ملکوں کا دورہ کیا، لیکن کہیں بھی اُمت کے کسی مسئلہ کو فراموش نہیں کیا۔ مسلمانوں

کے تعلق سے اپنی کسی ذمہ داری کو ادا کرنے میں ایک قدم پیچھے نہیں ہٹا۔ اگر یہ سب کچھ انہیں اچھا نہیں لگا اور اس لیے اچھا نہیں لگا، کیوں کہ انہیں نہ تو اسلام کی فکر ہے، نہ اُمت مسلمہ کی فکر ہے، نہ اسلامی تہذیب کی فکر ہے تو آخر اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ تمھیں یہ کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟ یا تم پر ظلم کے پہاڑ توڑ کر تمہارے باپ کو کس بات کی سزا دے رہے ہیں؟ انہوں نے تمہارے باپ پر بھی مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ الزام یہ لگایا ہے کہ اس نے ۸۵ سال کی عمر میں جیل میں گھس کر اس جیل سے قیدیوں کو نکال بھگایا تھا، جس کا نام بھی اس نے پہلے کبھی نہیں سنا۔ خود اس الزام کو بھی اس کی خبر نہیں ہے!

یہ ظالم اپنے دل کا کینہ اور نفرت اب ایک آزاد خاتون پر انڈیل رہے ہیں، اسے شکست دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ انہیں شکست دے گا۔ مجھے یقین ہے میرا رب میری بیٹی کی نگہ داشت کرے گا، اپنی اس آنکھ سے جو سوتی نہیں ہے۔ میرا ربّ اس کی حفاظت کرے گا، اپنی اس پناہ میں رکھے گا، جہاں کسی کی پہنچ نہیں ہے۔ میری بیٹی عُلا! تمہارے نام کا مطلب بلندی ہے۔ تو سمجھ لو کہ اللہ نے چاہا ہے کہ تمہارے نام کی برکت تمہیں حاصل ہو جائے۔ اس نے چاہا ہے کہ دنیا اور آخرت میں تمہارے درجات بلند کرے۔ ان آزمائشوں سے تمہاری نیکیوں کا ترازو بھاری کرے۔ تم جیل کی تنگ کوٹھری میں رہتے ہوئے اللہ کے نزدیک اُونچے محل میں رہنے والے سرکش ظالم کے مقابلے میں بہت بلند ہو اور اللہ کو اور اللہ کے بندوں کو اس کے مقابلے میں بہت زیادہ محبوب ہو۔ تصور کرو، دنیا کے کونے کونے میں مومن مرد اور عورتیں تمہارے لیے استغفار کر رہے ہیں، تمہارے لیے اللہ سے دُعا کر رہے ہیں۔ اللہ تمہیں اور تمہارے تمام مظلوم بھائیوں اور بہنوں کو جلد رہائی عطا کرے اور ان ظالموں کو ان کے ظلم کا مزہ چکھائے۔ ان کی یہ دُعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی، ضرور رنگ لائیں گی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تمہاری اور تمہارے شوہر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، تمہارے دلوں کو سکون ملے، تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلے۔

میری بیٹی! یقین رکھو کہ ان جیلوں میں ستائے جانے والے مظلوموں کی ایک دُعا اتنی تاثیر رکھتی ہے کہ ظالموں کی ساری دنیا تباہ و برباد کر ڈالے اور انھیں ناکام و نامراد کر دے۔ تسلی رکھو کہ تمہارا ربّ ان کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے اور ظالموں کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کس انجام سے دو چار ہونا ہے!

تمہارے ابو!

یوسف القرضاوی

(از: ترجمان القرآن، ستمبر 2019)

عورت غیر اسلامی نظام میں

معاشرے کی حفاظت اور امن وامان کے لئے شرعی حدود کا جو کردار ہے، تجربات کی روشنی میں وہ اتنا مؤثر اور مفید ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مخالفین عورتوں کو مذہب اسلام میں مظلوم باور کرانا چاہتے ہیں جب کہ ان کے معاشرہ میں عورت اس قدر ذلیل اور رسوا ہے جس کی مثال نہیں ملے گی۔

کمیونسٹ معاشرے میں عورت کا کام صرف بچہ پیدا کرنا اور روٹی کے بدلے مرد کے دوش بدوش محنت کرنا ہے۔ سرمایہ داروں کی معاشرت میں عورت روپیہ پیدا کرنے اور بازار کی قوت خرید اور دولت بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ دکانوں کے آگے کھڑے ہو کر گاہکوں کو لبھانے اور کھینچنے کا کام کرتی ہے، انشورنش کمپنیوں میں کمپنیوں کے حصص فروخت کرتی ہے۔ دفتروں میں مردوں کے سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی ہے۔ نائٹ کلب میں گاتی اور ناچتی ہے۔ عورت کا یہ استعمال صرف پیسہ کمانے کے لئے ہے۔ پیسہ مل جائے تو انہیں پرواہ نہیں کہ وہ عورت جہنم میں جاتی ہے یا لوگ اس کو اس طرح چھوتے رہیں جیسے ہوٹل میں تولیے سے ہاتھ صاف کئے جاتے ہیں۔ وہ شوہر کے مضبوط سہارے سے، ماں کی ممتا، اولاد کے احترام اور رشتے کے تقدس سے محروم رہے، ان سب کی انہیں پرواہ نہیں۔ یہ سب اس کے معاشرے میں ہوتا ہے اور وہ اسے ترقی کا نام دے کر خوش ہوتے ہیں۔

جان دے دی، ایمان پر آنچ نہ آنے دی

مرتب: خبیب صدیقی

ایک بادشاہ لوگوں کو خنزیر کھانے پر مجبور کیا کرتا تھا۔ ایک عالم نے اس کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اسے پیش کرنے کا حکم دیا اور کہا ''میں اپنے سامنے اسے خنزیر کا گوشت کھلاؤں گا، کھانے سے انکار کرے گا تو اسے قتل کروں گا۔'' چناں چہ عالم کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا۔ دروازے پر موجود ایک عہدہ دار نے بزرگ کے کان میں کہا: ''آپ کے آگے جو گوشت رکھا جائے گا وہ بکری کا ہوگا۔ لہٰذا جب بادشاہ آپ کو خنزیر کھانے کا حکم دے تو آپ بے فکر ہو کر کھا لیجیے گا۔ میں نے خفیہ طور پر سب انتظام کر لیا ہے۔ دیکھنے والے خیال کریں گے کہ آپ خنزیر کھا رہے ہیں لیکن ہوگا وہ بکری کا گوشت، اس طرح آپ کی جان بچ جائے گی۔''

بادشاہ نے آج اور بھی بے شمار لوگوں کو دعوت دی تھی۔ دراصل وہ ان سب پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو، آج میں نے اس عالم کو خنزیر کھلا دیا۔

آخر سب لوگوں کے ساتھ اس عالم کے سامنے بھی گوشت رکھا گیا۔ سب لوگ عالم کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے: عالم صاحب نے کھا لیا تو ہم بھی کھا لیں گے، ورنہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔

عالم صاحب کے سامنے اس عہدے دار کی خفیہ ہدایت کے مطابق بکری کا گوشت رکھا جا چکا تھا اور یہ بات عالم کو معلوم تھی، اس کے باوجود انہوں نے گوشت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور بولے: ''نہیں! میں یہ گوشت نہیں کھاؤں گا۔''

عہدے دار سامنے ہی موجود تھا۔ اس نے اشارہ کیا کہ گوشت کھا لیں، آپ کی جان بچ جائے گی۔ یہ بکری کا گوشت ہے، خنزیر کا نہیں۔ اس اشارے کے باوجود وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کے انکار پر بادشاہ نے اسی عہدے دار کو حکم دیا: ''اسے باہر لے جا کر قتل کر دیا جائے۔''

عہدے دار عالم کو لے کر باہر آیا اور حیرت زدہ انداز میں بولا: ''میں نے آپ کو بتا دیا تھا۔ دربار میں بھی آپ کو اشاروں میں کہتا رہا کہ آپ اس گوشت کو کھا لیں، یہ گوشت خنزیر کا نہیں ہے، لیکن افسوس! آپ نے میری بات پر اعتبار نہ کیا۔ کیا آپ نے یہ گمان کیا تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟''

عالم نے کہا: ''ایسی بات نہیں، میں جانتا ہوں، میرے سامنے جو گوشت ہے، وہ بکری کا ہے۔ لیکن دربار میں جتنے لوگ بھی موجود تھے انہیں تو یہی معلوم تھا نا کہ وہ گوشت خنزیر کا ہے اور جب گوشت کھاتا تو سب یہی خیال کرتے میں نے موت کے ڈر سے خنزیر کا گوشت کھانا قبول کر لیا ہے اور سب لوگ میری پیروی کرتے اور خنزیر کا گوشت کھانے لگتے۔''

عہدے دار دنگ رہ گیا۔ عالم نے اپنا قتل تو گوارہ کر لیا، لیکن دوسروں کا وبال اپنے سر لینا منظور نہ کیا۔ مخلص و مومن عالم کی شان یہی ہوتی ہے۔

جنت
ماں کی قدموں تلے ہے

کہمش بن حسنؒ فرماتے ہیں: ''میں اپنی والدہ کی خدمت کیا کرتا تھا اوان کا پاخانہ اُٹھاتا تھا تو سلیمان بن علی نے میرے پاس ایک تھیلی بھیجی اور کہلایا کہ اس روپے سے ماں کی خدمت کے لئے ایک خادم خرید لے۔''

میں نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ''میری والدہ نے میرے بچپن میں کسی اور سے میری خدمت کروانا پسند نہیں کیا، ایسا ہی میں بھی بڑا ہو کر ان کی خدمت دوسرے کے سپرد کر نے پر راضی نہیں ہوں۔''

جہاں کو راہ پر لاؤں

یونسؔ ہرگانوی

مرے بازو میں طاقت دے
مرے خوں میں حرارت دے
خدایا! مجھ کو جرأت دے
کہ تیرا دین پھیلاؤں
جہاں کو راہ پر لاؤں
زبان میں دے اثر یارب
عنایت علم کر یارب
عطا کر وہ ہنر یارب
کہ تیرا دین پھیلاؤں
جہاں کو راہ پر لاؤں
پجاری میں بنوں تیرا
فدائی میں بنوں تیرا
سپاہی میں بنوں تیرا
کہ تیرا دین پھیلاؤں
جہاں کو راہ پر لاؤں

ثقافت کی تلاش

نسیم حجازی

چوتھا منظر

(نہر کے پُل کے قریب چائے اور سگریٹوں کی ایک دکان کے سامنے چند آدمی ٹُوٹی پھُوٹی کرسیوں اور لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ پاس ہی سڑک کے کنارے چند تانگے کھڑے ہیں۔

(کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ دوکان سے تھوڑی دُور سائیکل روک کر اُتر پڑتے ہیں۔)

کامریڈ ۹: دیکھو کامریڈ! اگر تم نے اِن لوگوں کے ساتھ ثقافت کا مسئلہ چھیڑ دیا تو میں بھاگ جاؤں گا۔ ہمیں اِن لوگوں کو یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں کہ ہم لنڈاکوٹ جا رہے ہیں۔ مُجھ سے اب سائیکل پر نہیں بیٹھا جاتا۔ میں اپنی سائیل اس دُکان پر چھوڑ کر پیدل چلوں گا۔

کامریڈ ۱۰: سائیکل تو میں بھی یہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ لیکن ڈھول کون اُٹھائے گا۔ لنڈاکوٹ میں ڈھول کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

کامریڈ ۹: بھائی ڈھول میں اُٹھالوں گا۔ اب خدا کرے اس دوکان سے ذرا اچھی چائے مل جائے اور ہم تازہ دم ہو جائیں۔

کامریڈ ۱۰: یار میرا تو کافی پینے کو جی چاہتا ہے۔

کامریڈ ۹: واہ بھائی! تمہارا خیال ہے کہ تم لاہور کی مال روڈ پر پھر رہے ہو؟

کامریڈ ۱۰: مجھے یقین ہے کہ کافی مل جائے گی۔

(کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ دُکان کے سامنے سائیکلیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ دوکان دار اور دوسرے لوگ دُور ہی سے اُن کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔)

کامریڈ ۹: (دبی زبان میں) کامریڈ: مجھے ان لوگوں کی مسکراہٹ قطعاً پسند نہیں۔

کامریڈ ۱۰: (دوکاندار سے) بھئی! ہمیں کافی کی ضرورت ہے۔

دوکان دار: جی کیا کہا کافی! اگر آپ سائیں گے تو ہم سُن لیں گے۔ لیکن گُڑ کی چائے کی ایک ایک پیالی کے سوا میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا (دوسرے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر) بھئی انہیں ذرا بیٹھنے کی جگہ دو۔ یہ تمہیں کافیا ں سنانا چاہتے ہیں۔

کامریڈ ۱۰: (بہ مشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے) بھئی تم میرے ساتھی کا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ کافی پینا چاہتا ہے۔ گانا نہیں چاہتا۔

دوکان دار: بھائی صاحب! ہم نے تو لوگوں کو کافیاں گاتے سُنا ہے، پیتے نہیں دیکھا۔ مجھے خود بُلھے شاہ کی کئی کافیاں یاد ہیں۔

وقفہ

(کامریڈ ۹ اور کامریڈ ۱۰ دکان کے سامنے لکڑی کے بنچ پر بیٹھ کر چائے پی رہے ہیں، ایک طرف سے ایک دیہاتی اپنا ٹٹو دوڑاتا ہوا دکان کے سامنے آتا ہے۔)

دیہاتی: (ثقافتی ساز و سامان سے لدی ہوئی سائیکلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، دوکان دار سے مخاطب ہو کر)

دوکان دار: یہ لوگ آگئے ہیں؟

دوکان دار: (کامریڈ ۹ اور ۱۰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ آگئے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اِنہیں ہمارے چودھری نے بُلایا ہے۔

دیہاتی: (کامریڈ حضرات سے) میرا خیال تھا کہ تم لوگ موٹر پر آؤ گے۔ وہ نہیں آئی؟

کامریڈ ۹: بھئی تم کس کے متعلق پُوچھ رہے ہو؟

دیہاتی: میں ریشماں کے متعلق پُوچھ رہا ہوں۔

کامریڈ ۱۰: ریشماں کون ہے؟

دیہاتی: ارے یار وہی جھنڈو ڈوم کی لڑکی۔

کامریڈ ۱۰: اُسے یہاں آنا تھا۔ کیا تم اُسی جھنڈو ڈوم کا ذکر کر رہے ہو، جسے اُس کے گاؤں والوں نے نکال دیا تھا؟

دیہاتی: ہاں بھئی وہی، اور جھنڈو ڈوم کون ہے؟

کامریڈ ۱۰: جھنڈو ڈوم کی لڑکی یہاں کس لئے آ رہی ہے؟

دیہاتی: بھئی جس طرح تم آگئے ہو، اُسی طرح وہ بھی آ رہی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ اب تم میں

سے کوئی ہمارے گاؤں نہیں جاسکے گا۔

کامریڈ 9 : تمہارا گاؤں کون سا ہے؟

دیہاتی: ہمارا گاؤں گنجا پور ہے۔

کامریڈ 10 : وہاں کوئی میلہ ہے؟

دیہاتی : نہیں بھئی، ہمارے چودھری کے لڑکے کی شادی ہے لیکن اب تم وہاں نہیں جاسکو گے۔ چودھری صاحب کی برادری کا یہی فیصلہ ہے کہ شادی پر گانا بجانا نہیں ہوگا۔

(دوکاندار سے مخاطب ہوکر) بھئی وہ لوگ موٹر سے یہاں اُتریں گے۔ اُنہیں یہ پیغام دے دینا کہ گاؤں میں اُن کی ضرورت نہیں اِس لئے وہ واپس چلے جائیں۔

کامریڈ 9 : (دیہاتی سے) بھائی صاحب! آپ کو یقین ہے کہ جھنڈو ڈوم کی لڑکی یہاں آئے گی۔

دیہاتی: ہاں بھئی! وہ ضرور آئے گی۔ پرسوں چودھری صاحب کا نوکر اُسے تیس روپیئے دے کر آیا تھا۔ تم شاید بِن بُلائے آگئے ہو لیکن اب تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔

(دیہاتی ٹٹو کو بھگاتا ہوا نکل جاتا ہے)

دوکان دار: بھئی مجھے افسوس ہے۔

کامریڈ 10 : کس بات کا؟

دوکان دار: بھئی میں سوچ رہا ہوں کہ چودھری قادر بخش جیسے لوگ بھی تمہاری قدر نہ کریں تو تمہاری روٹی کا دھندا کیسے چلے گا؟

کامریڈ 10 : یار ہم روٹی کا دھندا کرنے نہیں آئے۔ ہمارا کام صرف ثقافت کی خدمت ہے۔

کامریڈ 9 : یار بہت بے وقوف ہو تم، بار بار ثقافت کا لفظ استعمال کرتے ہو۔

دوکان دار: سخاوت اچھی چیز ہوتی ہے، لیکن زمانے میں سخاوت کون کرتا ہے (سڑک پر ایک بس رُکتی ہے۔ دوکان سے باقی آدمی اُٹھ کر بس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ دو آدمی اور ایک نوجوان لڑکی بس سے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ لڑکی سُرخ رنگ کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ اُس کا ایک بڑی بڑی مونچھوں والا موٹا تازہ ساتھی جو کافی عمر رسیدہ معلوم ہوتا ہے، ایک ہاتھ میں حُقّہ تھامے اور گلے میں ہارمونیم ڈالے ہوئے ہے۔ دوسرا سانولے رنگ، درمیانے قد اور مضبوط جسم کا نوجوان ہے اور اُس کے ایک ہاتھ میں گٹھری ہے جس میں دو طبلے بندھے ہوئے ہیں اور دُوسرے ہاتھ میں لوہے کا ایک چھوٹا سا بکس ہے۔ لڑکی کے نقوش ذرا تیکھے ہیں اور اُس کے چہرے پر پوڈر کی ایک تہہ چڑھی ہوئی ہے۔ بوڑھا آدمی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر دوکان کی طرف بڑھتا ہے۔)

دوکان دار: کیوں بھئی! تمہارا نام جھنڈو ہے؟

بوڑھا آدمی : ہاں جی! گنجا پور سے قادر بخش کا کوئی آدمی ہمیں لینے نہیں آیا؟

دوکاندار: چودھری کا آدمی آیا تھا لیکن وہ یہ کہہ کر چلا گیا ہے کہ گاؤں میں گانا بجانا نہیں ہوگا۔ اس لئے آپ لوگ واپس چلے جائیں۔

بوڑھا: یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہم اُن کے لڑکے کی شادی پر جارہے ہیں۔

دوکان دار: تمہاری مرضی۔ میرا کام صرف پیغام دینا تھا۔ اگر تمہیں دھکّے کھانے کا شوق ہے تو چلے جاؤں وہاں۔

لڑکی : (ذرا آگے بڑھ کر بلند آواز میں) دھکّے کھائیں ہمارے دشمن۔ بابا ہم اُن کے پیسے واپس نہیں دیں گے۔

دوکان دار: ارے چودھری قادر بخش پیسے کب واپس مانگتا ہے۔

(جھنڈو حُقّے کا کش لگاتا ہوا واپس مُڑتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر سڑک کے دوسرے کنارے پر بیٹھ جاتا ہے۔ کامریڈ 9 اور 10 اپنی سائیکلیں اُٹھا کر باتیں کرتے ہوئے اُن کی طرف بڑھتے ہیں۔)

نوجوان: (جھنڈو سرگوشی کے انداز میں) چچا! اِدھر دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ چودھری کو انہوں نے ہمارے خلاف بھڑکایا ہوگا۔ تم انہیں جانتی ہو ریشماں!

ریشماں: نہیں! میں نے یہ موئے کبھی نہیں دیکھے۔

کامریڈ 10 : (اپنی سائیکل کھڑی کرتے ہوئے) کامریڈ جھنڈو! ہم تمہیں سلام عرض کرتے ہیں۔

جھنڈو: تم پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں گنجا پور کے سوا کوئی اور گاؤں نہیں ملا تھا۔

بابا ہم گنجا پور نہیں جارہے اور ہمارا کام تمہارا حق مارنا نہیں۔ ہم تو تمہارا راستہ صاف کررہے ہیں۔

جھنڈو: اچھا راستہ صاف کیا ہے تم نے (اپنے ساتھی سے) رمضان! تم طبلے یہیں چھوڑ دو اور سیدھے چودھری کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو ہم سے کیا تقصیر ہوئی ہے۔

اگر بات بن گئی تو واپس آکر ہمیں اطلاع دو۔ اگر تمہیں وہاں کامیابی نہ ہوئی تو ہم واپس چلے جائیں گے لیکن جلدی آنا۔

رمضان: چچا! گنجا پور یہاں سے چار میل ہے۔

کامریڈ 10 : کامریڈ رمضان! تم سائیکل چلا سکتے ہو؟

رمضان : مجھے معلوم نہیں کامریڈ کیا ہوتا ہے، لیکن میں سائیکل ضرور چلا سکتا ہوں۔

کامریڈ ۱۰: تم میری سائیکل لے جاؤ اور جب ہماری دوبارہ ملاقات ہوگی تو میں تمہیں کامریڈ کے معنی بھی سمجھادوں گا۔ یہ سامان اُتار کر یہاں رکھ دو۔ (رمضان اُٹھ کر سائیکل سے سامان اُتارنے لگتا ہے۔)

جھنڈو: نہیں رمضان! تم پیدل جاؤ۔ یہ لوگ سائیکل دے کر ہم سے حصہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔

کامریڈ ۹: چچا جھنڈو! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہمارا پیشہ گانا بجانا نہیں ہے۔

جھنڈو: برخوردار! تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ اگر تم گانے بجانے کا دھندا نہیں کرتے تو یہ سامان جو تمہاری سائیکلوں پر لدا ہوا ہے لکھنے پڑھنے کے کام آتا ہے کیا؟

کامریڈ ۱۰: کامریڈ ریشماں! اپنے باپ کو سمجھاؤ۔ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم لاہور سے اپنی قومی ثقافت کی تلاش میں آئے تھے اور تم سراپا ثقافت ہو۔

ریشماں: اجی میں نے تمہارے جیسے بہت دیکھے ہیں۔ میرے ساتھ سیدھے منہ بات کرو۔

کامریڈ ۹: اومائی گاڈ! تم نرے اُلّو ہو۔

جھنڈو: کون اُلّو ہے؟

کامریڈ ۹: چچا میں اپنے ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہم ایک ضروری کام سے لنڈا کوٹ جارہے تھے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنی سائیکل اس دوکان پر چھوڑ جائیں۔ اب اگر رمضان کو ضرورت ہے تو وہ ہماری سائیکل سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

جھنڈو: تو تم گنجا پور نہیں جانا چاہتے؟

کامریڈ ۹: نہیں جی! بالکل نہیں!! اگر گانا بجانا ہمارا پیشہ ہوتا تو بھی ہم وہاں نہ جاتے۔ جب گنجا پور والے چودھری کا آدمی آیا تھا تو ہم اس دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے اور اُس نے ہمارے سامنے یہ کہا تھا کہ وہاں ناچ گانا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ تسلی کرنا چاہتے ہیں تو رمضان کو پیدل بھیجنے کے بجائے سائیکل پر بھیج دیں۔ ممکن ہے گاؤں والے اپنا فیصلہ بدل دیں۔

جھنڈو: اچھا رمضان! لے جاؤ ان کی سائیکل۔

(رمضان کامریڈ ۱۰ کی سائیکل سے سامان اُتار کر اُن کے قریب رکھ دیتا ہے اور سائیکل پر سوار ہو کر ایک طرف نکل جاتا ہے۔)

جھنڈو: (کامریڈ ۱۰ سے) بھئی تمہارے ساتھ کوئی ناچنے والی بھی آئی تھی؟

کامریڈ ۱۰: نہیں بھائی! ہمارے ساتھ کوئی ناچنے والی نہیں آئی۔

جھنڈو: تو پھر یہ گھنگھرو کس لئے ہیں؟

کامریڈ ۱۰: چچا جھنڈو! یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہم دیہاتی ثقافت کو زندہ کرنے کا ایک وسیع پروگرام لے کر آئے ہیں۔

کامریڈ ۹: دیکھو کامریڈ! میں اس لفظ کے بار بار استعمال پر شدید احتجاج کرتا ہوں۔ اگر تم بضد رہے تو مجھے تمہارا ساتھ چھوڑنا پڑے گا۔ (جھنڈو سے) چچا جھنڈو! تم اس بات پر حیران ہوگے کہ میں آج اپنے دل میں آپ کو تلاش کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ ہم تمہارے گاؤں میں گئے تھے اور وہاں سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تم کسی شہر میں چلے گئے ہو۔ میں کسی سے یہ نہ پوچھ سکا کہ تم کس شہر میں رہتے ہو، لیکن امام دین کے رہٹ سے روانہ ہونے کے بعد میں اپنی کوتاہی پر بہت پشیمان تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں تمہارا ایڈریس معلوم کرنے کے لئے دوبارہ وہاں جاؤں گا۔

جھنڈو: تمہیں میرے ساتھ کیا کام تھا؟

کامریڈ ۹: میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس ملک کے تمام ترقی پسند تمہاری ان عظیم خدمات کا اعتراف کرتے ہیں، جو تم نے ثقافت کو زندہ کرنے کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ ہمیں امام دین نے یہ بتایا تھا کہ گاؤں کے رجعت پسند لوگوں نے تمہیں وہاں سے نکال دیا ہے اور ہم تم کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس ملک میں ثقافت کا بول بالا کرنے کے لیے تم نے جو قربانیاں دی ہیں وہ رائیگاں نہیں جائیں گی۔

کامریڈ جھنڈو! وہ دن دُور نہیں جب اس گاؤں میں تمہارے اُجڑے ہوئے گھر کو قومی یادگار بنایا جائے گا۔ تمہیں اس لئے گاؤں سے نکالا گیا تھا کہ تمہاری لڑکی ایک عظیم آرٹسٹ کا دل اور دماغ لے کر پیدا ہوئی تھی اور اُس نے رجعت پسند لوگوں کے خوف سے زندگی کے فطری تقاضے دبانے کی کوشش نہیں کی۔

کامریڈ! میرے مظلوم اور ستم رسیدہ کامریڈ! وہ دن دُور نہیں جب اس ملک کے بڑے بڑے لوگ تمہارے گھر کا طواف کیا کریں گے اور ہر سال تمہاری برسی منائی جائے گی۔ یہ تمہاری بدقسمتی تھی کہ تم نے ایک ایسے علاقے میں آرٹ اور ثقافت کی سرپرستی شروع کی تھی، جہاں تمہیں پبلسٹی دینے والا کوئی نہ تھا لیکن اب چند دن کے اندر اندر تمہاری شہرت ملک کے کونے کونے میں پہنچ جائے گی۔ ہم کامریڈ الف دین سے یہ مطالبہ کریں گے کہ وہ تمہاری پبلسٹی کو زیادہ سے زیادہ

اہمیت دے۔

جھنڈو: (ریشماں کی طرف متوجہ ہو کر سرگوشی کے انداز میں) ریشماں! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجھے یہ لوگ ٹھگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ جاتے جاتے یہ اپنے ہارمونیم کے ساتھ ہمارا ہارمونیم بھی نہ لیتے جائیں۔

ریشماں: میاں جی! آپ فکر نہ کریں۔ میں انہیں خوب پہچانتی ہوں۔

کامریڈ ۹: کیا بات ہے چچا جھنڈو؟

جھنڈو: بھئی بات یہ ہے کہ تم جوان ہو اور میں بُڈھا ہوں لیکن ہمارا پیشہ ایک ہے۔ اس لیے تمہیں میرے ساتھ مذاق نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر گاؤں کے کسی آدمی نے تمہیں ریشماں کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات بتائی ہے تو تمہیں بار بار میرا دل نہیں دُکھانا چاہیے۔

کامریڈ ۱۰: کامریڈ جھنڈو! خدا کی قسم ہم تم پر فخر کرتے ہیں۔ اگر ہماری ملاقات اس دن ہو جاتی جب کہ گاؤں کے لوگوں نے تم کو نکال دیا تھا تو ہم یقیناً تم کو لاہور لے جاتے اور وہاں ہر ترقی پسند ثقافتی ادارے سے مطالبہ کرتے کہ وہ تمہارا خیر مقدم کرے۔ ہمارا پیشہ گانا بجانا نہیں لیکن ہم ثقافت کی اہمیت سمجھتے ہیں۔

ریشماں: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

کامریڈ ۹: ابھی ہم تعلیم سے فارغ ہوئے ہیں اور ہمیں اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ملازمت کا دھندا کرنے سے پہلے ہم کچھ عرصہ ثقافت کے ذریعے عوام کی خدمت کریں۔ لوگوں کی پسماندگی اور جہالت دُور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ثقافتی سرگرمیاں تیز کر دی جائیں۔

جھنڈو: تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میرا حُقّہ بجھ گیا ہے اور میں اُس دوکان سے چلم بھرنے جا رہا ہوں۔

(جھنڈو حُقّہ اُٹھا کر دوکان کی طرف چلا جاتا ہے۔)

کامریڈ ۱۰: کامریڈ ریشماں! تم نے لاہور دیکھا ہے؟

ریشماں: بابو جی مجھے لاہور دکھانے کے لیے دل گُردے کی ضرورت ہے۔

کامریڈ ۹: ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی سائیکلوں کی بجائے کامریڈ الف دین کی کار پر نہیں آئے ورنہ تم یہ طعنہ نہ دیتیں کہ ہم تمہیں لاہور نہیں دکھا سکتے۔

ریشماں: جاؤ جی! جن کے پاس کار ہوتی ہے وہ اس طرح سائیکلوں پر ڈھول اور چُمٹے باندھ کر نہیں پھرتے۔

کامریڈ ۹: کامریڈ! تم کار کو بہت بڑی چیز سمجھتی ہو لیکن ہمارے کامریڈ الف دین کے پاس تین بہترین کاریں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ایک ہوائی جہاز بھی خرید سکتا ہے۔

ریشماں: الف دین تمہارا کیا لگتا ہے؟

کامریڈ ۹: کچھ نہیں، وہ ہمارا کامریڈ ہے۔

ریشماں: کامریڈ کیا ہوتا۔

کامریڈ ۹: کامریڈ ساتھی کو کہتے ہیں۔

ریشماں: لیکن تم مجھے بھی کامریڈ کہہ رہے تھے۔

کامریڈ ۱۰: اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو ہم یہ لفظ واپس لیتے ہیں۔

ریشماں: (بگڑ کر) ایک عورت صرف ایک آدمی کی ساتھی ہوتی ہے، لیکن تم دونوں نے مجھے باری باری کامریڈ کہا ہے۔

(۹ اور ۱۰ بدحواس ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

کامریڈ ۹: (ریشماں سے) یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم نے کوئی بُری بات نہیں کی۔

ریشماں: واہ جی! آ گئے بُری بات کہنے والے۔ ذرا کہہ کر تو دیکھو۔

کامریڈ ۱۰: (ذرا آگے کھسک کر) دیکھو ریشماں! ہم تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں جان بوجھ کر ہمارے ساتھ بگڑنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب ان پسماندہ اور رجعت پسند لوگوں نے تمہیں گاؤں سے نکال دیا تھا تو تمہارے دل پر کیا گزری تھی۔ یقیناً تمہیں اس بات کا بہت دُکھ ہوا ہوگا۔

ریشماں: مجھے کیوں دُکھ ہوتا۔ میں نے وہاں سے نکل کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

کامریڈ ۱۰: بہت بہادر ہو ریشماں! تم نے آرٹ اور ثقافت کے لئے اپنا گھر چھوڑنا پسند کر لیا لیکن اگر برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ سچ بتاؤ اس گاؤں میں تمہارا کوئی قدردان نہیں تھا۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ اس گاؤں میں ایک نوجوان بھی ایسا نہ تھا جس کی یاد نے تمہیں ستایا ہو؟

ریشماں: (منہ بسور کر) تم میرا دل کیوں دُکھاتے ہو؟

کامریڈ ۹: اُف کامریڈ! تم بہت مظلوم ہو۔ اب ہمارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ تم انسانوں سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہو۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تمہارے پڑوس میں ایک چوڑا پکا جوان

رہتا تھا۔ وہ گاؤں سے باہر ایک پیال کے ڈھیر پر بیٹھ کر ہیر وارث شاہ پڑھا کرتا تھا اور تم چھُپ چھُپ کر سُنا کرتی تھیں۔ پھر تم ڈھول ماہیا گایا کرتی تھیں اور وہ پہروں تمہاری دیوار کے قریب کھڑا رہتا تھا۔ اُسے تمہارے گیتوں کی طرح تمہارے ناچ بھی بہت پسند تھے۔ تم دونوں اپنے مستقبل کے متعلق اسی قسم کے پروگرام بنایا کرتے تھے کہ ہم جیون ساتھی بن کر آرٹ اور ثقافت کی خدمت کریں گے۔ وہ گایا کرے گا، تم ناچا کرو گی لیکن گاؤں کے سماج کے ٹھیکیداروں کی مخالفت کے باعث یہ حسین آرزوئیں پوری نہ ہوسکیں۔ گاؤں کے چودھری نے تمہیں نکال دیا اور اُسے شاید کسی تاریک کوٹھری میں بند کر رکھا ہے۔

ریشماں : اگر میرے متعلق تمہیں یہ باتیں امام دین نے بتائی ہیں تو وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔ لیکن اب مجھے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں۔ ہم دونوں ایک دُوسرے کے لیے مر چکے ہیں۔

کامریڈ 9 : یہ بالکل غلط ہے۔ ایک آرٹسٹ کو کوئی نہیں مار سکتا۔ ہم تمہاری آپ بیتی سُننا چاہتے ہیں۔

(دبی زبان میں اس سے مخاطب ہو کر)

کامریڈ! اب ہماری گفتگو نازک مرحلے پر پہنچ چکی ہے۔ اس کا باپ دوکان دار کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا۔ تم جاؤ اور کچھ دیر اُسے وہیں روکنے کی کوشش کرو اور مجھے اس کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے دو۔ میں ایک ایسی رپورٹ کے لیے مواد جمع کرلوں گا کہ کامریڈ الف دین عش عش کر اُٹھے گا۔

کامریڈ 10 : پارٹی میں مَیں تم سے سینیئر ہوں اس لئے جھنڈو کے پاس تم جاؤ۔

ریشماں: دیکھو جی تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو۔

کامریڈ 9 : نہیں ! نہیں! کامریڈ ریشماں! ہمیں تمہارے ساتھ ہمدردی ہے (10 سے) کامریڈ! تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ وہ آجائے گا اور یہ ڈرامہ یہیں ختم ہوجائے گا۔

کامریڈ 10 : غصے کی حالت میں اُٹھ کر دوکان کی طرف چلا جاتا ہے۔

ریشماں: (9 سے) تم تم لنڈا کوٹ جا رہے تھے؟

کامریڈ 9 : ہاں لیکن جانے سے پہلے میں اپنی بات ختم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ زندگی میں ایسے اتفاق بار بار نہیں آتے۔ میں اس خوش گوار ملاقات سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہوں۔ میں آرٹ اور ثقافت کے نام پر تم سے اپیل کرتا ہوں کہ تم مجھ سے کوئی بات چھُپانے کی کوشش نہ کرو۔ وہ نوجوان کون تھا، جسے گاؤں کے لوگوں نے ہمیشہ کے لیے تم سے چھین لیا۔

ریشماں : وہ ہماری برادری کا آدمی تھا لیکن میری بدقسمتی سے وہ دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد شہر میں مُلازم ہوگیا تھا اور یہ بات بالکل جھوٹ ہے کہ وہ میرے لیے پیال کے ڈھیر پر بیٹھ کر ہیر پڑھا کرتا تھا یا میں اُس کے لیے ڈھول ماہیا گایا کرتی تھی۔ اُسے ناچ اور گانے سے نفرت تھی اور وجہ یہی تھی کہ اُس نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

کامریڈ 9 : یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں اپنی زندگی ثقافت کی خدمت کے لیے وقف کر چکا ہوں۔

ریشماں: تم ناچ اور گانے کو ثقافت کہتے ہو؟

کامریڈ 9 : ہاں۔

ریشماں : تم کسی ایسی لڑکی کی ثقافت پسند کرو گے، جس کے ساتھ تمہاری منگنی ہو چکی ہو؟

کامریڈ 9 : کیوں نہیں؟

ریشماں: تم لاہور سے آئے ہو؟

کامریڈ 9 : ہاں۔

ریشماں: وہاں تمہارا کوئی گھر گھاٹ ہے؟

کامریڈ 9 : کیوں نہیں، میرے مکان کے آٹھ کمرے ہیں اور میرا باپ چار سو روپیہ تنخواہ لیتا ہے۔

ریشماں : کیا گپ لگاتے ہو۔ آٹھ کمرے اور چار سو روپیہ ماہانہ تنخواہ اور تم سائیکل پر ڈھول اُٹھائے پھرتے ہو۔ اگر میرے باپ کی تنخواہ تیس روپے ہوتی تو بھی ناچنا اور گانا تو درکنار، وہ مجھے گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی نہ دیتا۔

کامریڈ 9 : یہ بالکل غلط ہے۔ کامریڈ جھنڈو ایک آرٹسٹ ہے۔ اگر اُس کی آمدنی دو ہزار ہوتی تو بھی وہ آرٹ اور ثقافت کی خدمت سے منہ نہ پھیرتا۔ اُس کی یہ خواہش ہوتی کہ اُسے ان لوگوں کو پسماندگی اور جہالت سے نکالنے کے لئے ایک عظیم الشان تھیٹر تعمیر کرنا چاہیئے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ آج کسی فلم کمپنی کا مالک ہوتا اور تمہیں ہر فلم میں بہترین پارٹ دیا جاتا لیکن تمہیں اپنے باپ کی غربت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر تم ہماری پارٹی میں شامل ہوجاؤ تو ہم تمہارے لیے شہرت اور دولت کے تمام دروازے کھول دیں گے۔

ریشماں: تم مجھے ورغلا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو لیکن میں نے تم جیسے کئی دیکھے ہیں۔

کامریڈ 9 : ریشماں! میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تم ایک آرٹسٹ ہو اور ایک آرٹسٹ کو ظاہری اور رسمی تکلفات سے بلند ہونا چاہیئے۔ ہم تمہارے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ ثابت

کرنا چاہتے ہیں کہ تم ثقافت کی جون آف آرک ہو۔

ریشماں: تم میرے ساتھ سیدھی بات کیوں نہیں کرتے؟ تم صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم اپنا پیٹ پالنے کے لیے ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہو۔

کامریڈ 9: بہت اچھا، تم یہی سمجھ لو۔

ریشماں: ہم پہلے ہی ایک نکھٹو سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔

کامریڈ 9: وہ کون ہے؟

ریشماں: رمضان جو ابھی تمہاری سائیکل لے کر گیا ہے، وہ چھ ماہ سے طبلہ بجانا سیکھ رہا ہے لیکن ابھی تک اُسے سُر تال کا پتہ نہیں۔

کامریڈ 9: مجھے افسوس ہے کہ تمہاری ذہنیت بالکل سرمایہ دارانہ ہے۔ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں اور تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم تم سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ دیکھو یہ میری گھڑی ہے اور اس کی قیمت اڑھائی سو روپے ہے۔ یہ میرا قلم ہے اور یہ پچاس روپیہ میں آتا ہے۔ میں تین چار روپے روزانہ صرف سگریٹ پر خرچ کرتا ہوں۔

ریشماں: (آنکھیں جھکاتے ہوئے) تم بہت بے شرم ہو۔ ایسی باتیں تمہیں میرے باپ سے کرنی چاہئیں۔ وہ آرہا ہے۔

(**کامریڈ 9** سڑک کے پار دیکھتا ہے۔ جھنڈو اور **کامریڈ 10** واپس آرہے ہیں)

کامریڈ 9: کامریڈ ریشماں! اب ہم شام سے پہلے پہلے لنڈا کوٹ سے ہو آنا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں صرف ایک ڈھول اور گھنگھرو لے جائیں گے۔ باقی سامان اور سائیکل یہیں چھوڑ جائیں گے۔ تم وعدہ کرو کہ ہمارا انتظار کرو گی۔

ریشماں: لنڈا کوٹ میں تمہیں کیا کام ہے؟

کامریڈ 9: کوئی خاص کام نہیں، ہم جلد واپس آجائیں گے۔

ریشماں: پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں وہاں کیا کام ہے؟

کامریڈ 9: ہم وہاں دیہاتی ناچ دیکھنے جا رہے ہیں۔

ریشماں: (بددل ہو کر) وہ ناچنے والی کون ہے؟

کامریڈ 9: کامریڈ! وہاں ناچنے والی کوئی نہیں۔ ہم دیہاتی نوجوانوں کا بھنگڑا ناچ دیکھنے جا رہے ہیں۔

(جھنڈو اور کامریڈ 10 قریب آتے ہیں)

کامریڈ 10: (کامریڈ 9 سے) چلو کامریڈ! اب دیر ہو رہی ہے (جھنڈو سے) آپ ہمارے سامان کا خیال رکھیں۔ ہم جلد واپس آجائیں گے۔

(جاری)

اجتماعی معاملات

حضرت ابو قلابہؓ کہتے ہیں: کچھ لوگ صحابہؓ میں سے، نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کی تعریف کرنے لگے، کہنے لگے ہم نے اپنے فلاں ساتھی کی طرح کسی کو نہیں دیکھا، سفر کے دوران یہ قرآن پڑھتا رہتا اور جب ہم کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو یہ نماز میں مشغول ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کے سامانوں کی حفاظت کون کرتا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ بھی پوچھا کہ اس کے اونٹ کو چارہ کون دیتا تھا؟ ہم نے کہا ہم لوگ اس کے سامانوں کی حفاظت کرتے اور اس کے اونٹ کو کھلاتے پلاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب تو تم اس تلاوت کرنے والے عبادت میں لگے رہنے والے سے بہتر ہو۔''

(ابوداؤد)

ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض (۲)

ابن سلطان

لولاب کشمیر کی ایک وادی کا نام ہے، ملا زادہ لولابی کشمیری، کشمیر کی تاریخ کا کوئی حقیقی کردار نہیں بلکہ اسے علامہؒ کے تخیل نے ایک پیکر عطا کیا ہے ۔گزشتہ زائد از نصف صدی سے حصول آزادی کی تڑپ میں کشمیری جس طرح سے جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، اس تناظر میں یہ نظم نئی معنویت اختیار کر کے ''آج'' کی نظم محسوس ہوتی ہے ۔اور یہی اقبال کا اعجاز ہے کہ ان کی شاعری آج کی شاعری محسوس ہوتی ہے ۔

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکر و فن خواجگی کاش سمجھتا غلام

الفاظ و معنی: خواجگی = سرداری، حکمرانی

تشریح: ۔علامہ فرماتے ہیں کہ موت سے بھی زیادہ خطرناک اور سخت چیز غلامی ہے ۔اے کاش کہ غلام قوم حکمراں کے اس مکر و فریب کو سمجھ لیتی جن کے ذریعہ وہ عوام کو غلام بنا کر رکھتے ہیں ۔حکمراں غلامی کو اپنے مکر و فریب سے اس طرح خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں کہ غلام ان کے فریب میں آجاتا ہے اور وہ غلامی پر دھیرے دھیرے راضی ہونے لگتا ہے ۔

شرع ملوکانہ میں جدت احکام دیکھ
صور کا غوغا حلال، حشر کی لذت حرام

الفاظ و معنی: غوغا = ہنگامہ، شور و غل ۔ شرع = آئین، قانون

تشریح: ۔غلاموں کو غلامی کا خوگر بنائے رکھنے کے لیے حکمراں حضرات جو جو قوانین بناتے ہیں ۔وہ بالکل نئے و انوکھے ہوتے ہیں ۔صور پھونکنا تو جائز سمجھتے ہیں کیونکہ یہ حکمراں کا کام ہوتا ہے، لیکن اس کے نتیجے میں جب محکوم حشر بپا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے جائز نہیں ہوتا حالانکہ صور پھونکنا اور حشر کا ہونا لازم و ملزوم ہے ۔صور کے غوغا سے مراد حاکم کی وہ زیادتیاں ہیں جو اپنی حکمرانی کے زعم میں وہ محکوم کے ساتھ کرتے ہیں ۔حشر کی لذت سے مراد محکوم کا ان زیادتیوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہے جو حکمراں کی طرف سے انجام پاتی ہیں ۔مطلب یہ ہے کہ حکمراں چاہتے ہیں کہ وہ صور تو پھونکتے رہیں لیکن محکوم ان کے خلاف نہ اٹھیں، حالانکہ صور اور حشر دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔

اے کہ غلامی سے ہے روح تری مضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

الفاظ و معنی: مضمحل = کمزور، ناتواں سینۂ بے سوز = جس کو کوئی تڑپ و درد نہ ہو ۔

تشریح: ۔غلامی نے تیری روح کو کمزور کر دیا ہے، جس کے سبب تو غلامی سے نجات نہیں پا رہا ہے ۔تو اپنے دل بے سوز میں آزادی کی تپش پیدا کر، اپنی گم شدہ خودی کو تلاش کر، تیری یہی خودی تجھے حاکم کے مقام پر فائز کر دے گی ۔

جاسوسی آج کی تاریخ کے پس منظر میں

ہری کرشن نگم ـــــ مترجم: ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری

بی رمن، جو ملک کی سب سے اعلیٰ سیکورٹی اور ایجنسی کی تنظیم سے ۲۶ رسالوں کی وابستگی کے سبب کئی اہم واقعات کے معتبر گواہ رہے ہیں۔ را (RAW) جس کے مخفف الفاظ کی پوری تشریح ریسرچ اینڈ انالیسِس ونگ ہے، اس کی اہم سرگرمیوں کے بارے میں دعویٰ کے ساتھ لکھنا جانتے ہیں۔ بھارت کے سرحدی علاقوں اور بیرون ملک جاسوسی کے لئے ذمہ داری یہ تنظیم جتنی مؤثر تھی اتنی ہی پرخطر بھی۔

خارجہ پالیسی کے بدلے پس منظر میں یہ خفیہ تنظیم بھی کافی بدل چکی ہے (ملاحظہ ہو صدر جمہوریہ ہند پرنب مکھرجی کا عالمی دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا اعلان اور اسرائیل کا بھارت پر چھاتا ہوا سیاہ بادل کا جمگھٹ) اور شری رمن خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ جب سے 'را' کا تاریخی شعبہ بند کر دیا گیا، اس کی خفیہ سرگرمیوں کے پرانے ریکارڈس سے اس نئی نسل کو محروم کر دیا گیا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب یہ ہماری خارجہ پالیسی پر عمل درآمد کے وقت بھی آنکھ کان کھلا رکھ سکتی تھی۔

کئی دہائیوں قبل اس ادارے کے سربراہ تھے رمیش ناتھ کاؤ، جنہیں خفیہ سرگرمیاں انجام دینے کے لئے افسانوی مقام حاصل ہوگیا تھا، ہمارے ملک کی روایت کے مطابق شری رمن کی متذکرہ کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد تنازعات کا ایک طوفان برپا ہوگیا۔ جب انہوں نے لکھا ''ایک وقت ایسا آیا جب کہ دہشت گردی (علیحدگی پسندی) سے لڑنے کے لیے حکومت کے ذریعہ آر ایس ایس کو اسلحہ کی تربیت کی پیش کش کی گئی تھی''۔ قطع نظر اس کے کہ اس بات میں کتنی حقیقت تھی، اس بات کے کئی مطلب نکالے گئے۔

ہمارے دیش میں پردے کے پیچھے کے اہم واقعات کے بارے میں اس کے پہلے کبھی کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ شری رمن کی موجودہ کتاب ان مبہم معلومات کو قارئین کے سامنے دعوے کے ساتھ پیش کرتی ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں چینی حملے کے وقت بھارتی فوج کے لیفٹیننٹ جنرل بی ایم کول اور ان کے حلقہ مشاورت کے جنرلوں کی بہت چرچا تھی۔ وہ نہرو مینن کا زمانہ تھا اور فوجی ہیڈکوارٹر میں نہرو کی نگاہ التفات کے نتیجے میں جنرل کول کو عقبی دروازے سے چیف آف اسٹاف بنا دیا گیا تھا۔ جنرل کول کے رفقاء کو اس وقت بیوروکریسی کے اعلیٰ گلیاروں میں کول بوائز کا لقب دیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۶۲ء میں چینی حملہ کے دوران بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد وہ سب کے سب اپنی نااہلیت کے لیے بدنام ہوئے تھے یہاں تک کہ شکست کے اسباب کے متعلق کتاب میں ہینڈرسن بروکس نے واضح طور پر لکھا کہ ۱۹۶۰ء کی شروعات سے ہی پیشہ وارانہ اور دیرپا حکمت عملی کا فقدان ہماری فوجوں میں عدم توازن، عدم اعتبار اور قیادت کا فقدان، بیرون ملک خفیہ اداروں میں بھی سرایت کر چکا تھا۔ جہاں فوج کے بی ایم کول اور اس کے فوجی معاونین اپنے تکبّر کے اظہار، شان وشوکت اور بیان بازی میں مبتلاء تھے، وہیں دیش میں کچھ سالوں میں رامیشور ناتھ کاؤ کی شکل میں ایک ایسا افسر ہوا جو ماہر، خاموش اور خودنمائی سے کوسوں دور گم نامی میں رہ کر کام کر سکا، جس پر حیرت ہونا لازم ہے۔ وہ خود پیشہ وارانہ مہارت اور مقصد سے لگن کی ایک مثال بن گئے۔

شری رمن کی یہ کتاب کسی خفیہ ادارے کے اعلیٰ افسر کے ذریعہ لکھی گئی پہلی کتاب نہیں ہے۔ اِس سے پہلے شری بی این ملک جو انٹیلی جنس بیورو میں ۱۶ رسال تک ڈائریکٹر رہ چکے تھے تین

جلدوں میں اپنی یاداشت، مائی ایرس وِدنہرو (My Years With Nehru) نام سے شائع کر چکے تھے، لیکن یہ آئی بی کے دو الگ الگ حصوں میں تقسیم سے پہلے کی بات تھی۔ ایک اندرون ملک جاسوسی کے لئے جسے آئی بی کہتے تھے، دوسری غیر ملکی جاسوسی کے لیے جسے را (RAW) کہا گیا۔

مصنف کی اس کتاب میں پہلی بار ہماری خارجہ جاسوسی کے راز دارانہ کاموں، ان کی کامیابیوں و ناکامیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جب ستمبر ۱۹۶۸ء میں را قائم ہوئی اور جب شری رمن اگست ۱۹۹۴ء میں رٹائر ہوئے تب تک کے تمام اہم واقعات کا اس کتاب میں احاطہ کیا گیا ہے۔

اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو ان پر پورا بھروسہ تھا۔ 'را' کو انہوں نے ایک پودے کی شکل میں خود لگایا تھا اور بااثر شکل میں پروان چڑھایا۔ کاؤ اپنے رفقاء اور ماتحتوں کو ہر کام کا سہرا باندھتے اور کسی مہم میں ہونے والی چوک کی ذمہ داری خود لیتے تھے۔ انہوں نے بھارت کے علاوہ بیرون ملک بھی پیشہ وارانہ شہرت حاصل کی۔ کاؤ ایک معتبر، صاف گو اور جری افسر تھے۔

مصنف نے فرانسیسی خفیہ ادارے کے سربراہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ کاؤ میں جسمانی اور ذہنی طور پر ایک نرم خو، شخصیت کی جھلک ملتی ہے، انہوں نے دوست بنائے۔ لیکن اپنے دوستوں سے اپنے کارناموں اور کامیابیوں کی مثال دینے سے بھی تکلف ہوتا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ کسی بھی خفیہ ادارے کے بارے میں غیر جانب دار ہو کر لکھنا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس سے گہرائی سے وابستہ آفیسر نے لکھا ہے، جس میں 'را' کی ۱۹۶۰ء کی دہائی سے لے کر ۱۹۹۰ء کے وسط تک کے رول کی چرچا ہے۔ اس میں کئی وزرائے اعظم کے رجحانوں کے بارے میں بھی ضروری تذکرہ ہے۔ انڈین Imperiar پولیس سیوا کے ۱۹۴۰ء کے بیچ کے آفیسر تھے اور انہیں انٹیلی جنس بیورو کا ۲۰ رسال کا تجربہ تھا۔ ۱۹۶۸ء میں را کے قیام سے ہی اندرا گاندھی نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کیا تھا۔

پیرس اور جینوا کے علاوہ وہ دِلّی کے ہیڈکوارٹرس میں بھی رہے۔ جناب رمن ان کے داہنے ہاتھ تھے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی اور ادارے کی خامیوں اور ناکامیوں کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔

جب ۱۹۶۹ء میں شمال مشرق میں ناگا بغاوت ایک سنگین خطرہ تھا، تب ایک بار انٹیلی جنس بیورو اور 'را' نے دستیاب معلومات کی بنیاد پر تجزیہ کیا تھا کہ ۲۱۰۰ رناگا چھپ کر (یونان) گئے تھے وہاں چینی اچھی تربیت دیتے تھے۔ اس وقت فوج کے کمانڈر ستیم ما تک شا نے اس سوال پر شک ظاہر کیا تھا اور اس تعداد کو صرف ۴۵۰ مانا، بعد میں حراست میں لئے گئے ایک ناگا نیتا نے جب بڑی تعداد بتایا تب اپنی غلطی کی اصلاح کر کے جنرل نے اس کی توثیق کیا۔ مصنف یہ بھی مانتا ہے کہ بابری مسجد عمارت کی ڈھانچے کی تباہی کے بعد بمبئی میں ہوئے بم دھماکوں کے سلسلوں کا وہ پہلے سے اندازہ نہیں لگا سکے۔ یہ ہمارے خفیہ نظام کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ اس کتاب کے آخری باب تک جو نکتہ بار بار آیا ہے، وہ ہے امریکہ کا بھارت کی حفاظت سے متعلق خطروں میں تعاون نہ کرنا۔ کئی موڑ ایسے آئے ہیں، جب امریکہ نے بھارت کا ساتھ چھوڑ کر پاکستان کی طرف داری کی۔

جب مصنف ۱۹۹۴ء میں رٹائرڈ ہو کر اپنے گھر چنئی پہونچے، تب امریکہ کے تئیں اپنی تلخیوں اور غصہ کو دبا نہ سکے۔ 'را' کی ہم پلہ امریکہ کی ایجنسی سی آئی اے سے وہ اتنا خفا نہیں تھے، جتنا اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ہند مخالف رویئے سے انہوں نے متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ جب امریکہ نے خالصتانی گروہوں کو مالی امداد دی، جموں کشمیر میں جنگجوؤں اور علیحدگی پسندوں کی حوصلہ افزائی کی، پاک ایجنسی آئی ایس آئی کو بھی بھارت کے خلاف اکسایا۔

ایک وقت وہ بھی آیا، جب امریکی خفیہ ایجنسیوں نے بھارت کے ساتھ تعاون میں پہل کیا۔ وہ بھارت کی مدد کمیونسٹ چین کی توسیع پسندانہ پالیسیوں کو روکنے میں نا چاہتے تھے، چین کے خلاف جاسوسی کرنے میں سی آئی اے نے بھارت کو خصوصی الیکٹرانک ساز و سامان بھی دیے تھے۔ اس وقت امریکی خفیہ ایجنسی کے ڈائریکٹر نے رامیشور ناتھ کاؤ سے کہا تھا۔ رام جی، اس میدان میں ہم ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے نہیں چوکتے ہیں، میں جانتا ہوں 'را' بھی ہمیں دھوکہ دے گا اور دیے ہوئے ساز و سامان سے چین کے بجائے پاکستان سے تکنیکی خفیہ اطلاعات پانے میں استعمال کرے گا، لیکن دھیان رکھنا اسٹیٹ

ڈپارٹمنٹ کو اس کی آہٹ بھی نہ لگے۔''

یہ بھی ایک تضاد تھا کہ جہاں امریکی خفیہ ایجنسی صدر نکسن کے دور میں اندرا گاندھی کے خلاف ناراضگی کا اظہار کر کے جنگی سطح پر نفسیاتی دباؤ بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا تھی تو دوسری طرف بھارتی جاسوسوں اور 'را' کو چین کے خلاف ہر طرح کی مدد بہ خوشی دے رہی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے 'را' اور 'آئی بی' کے باہمی تعلقات پر بھی دلچسپ معلومات جمع کی ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں دو حصوں میں تقسیم ہونے کے سبب آپسی تال میل اور تعاون ایک اہم مسئلہ تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک میں صرف دو ایجنسیاں تھیں آئی بی اور ملیٹری انٹیلی جنس۔ آج اسی میدان میں کئی خصوصی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ آئی بی ڈائریکٹریٹ جنرل آف ملیٹری انٹیلی جنس، را، ڈائریکٹریٹ جنرل آف سیکورٹی، ایر انٹیلی جنس، نیول انٹیلی جنس، ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی نیشنل ٹیکنکل ریسرچ آرگنائزیشن ان اداروں میں حسد کے سبب عموماً آپسی تال میل کا فقدان رہتا ہے۔

مصنف نے گہرا تجزیہ کرتے ہوئے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ را کے مختلف سربراہوں کے وزراء سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی اندرا گاندھی، راجیو گاندھی اور چندر شیکھر سے را کے تعلقات بہت اچھے تھے مرارجی دیسائی ان کے کام کی کم مختص بجٹ میں کٹوتی کی بات زیادہ کرتے تھے۔ مصنف نے پیرس میں ہوئی ایک میٹنگ کا تذکرہ کیا ہے جس میں ایک شاندار دعوت میں مرارجی دیسائی میوے کے چند دانے کھا کر ہی مطمئن ہو گئے۔

مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ کئی دہائیوں تک را کی سب سے بڑی کمزوری تھی چین کے بارے میں معلومات کا حصول، ان کا تجزیہ اور قیاس کو اہمیت نہ دینا، یہ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے اس کے خوفناک نتائج ہم پہلے بھی بھگت چکے ہیں اور آئندہ بھی خطرات کا اندیشہ ہے، یہاں تک کہ امریکی اور برطانوی ایجنسیوں کے متنبہ کرنے کے باوجود بھی ہم اپنی ہی دنیا میں مگن رہے اور اپنی کھوکھلی نظریاتی نکتوں کے سامنے حقیقی زمینی ساخت کے تانے بانے کو اہمیت نہیں دی۔ ہماری خفیہ ایجنسی پاکستان، چین، وسطی ایشیا اور عرب ممالک کے ماہرین کو تو تیار کر لے گئی، لیکن چین کے لیے ایسا کوئی مظبوط گروپ تیار نہ کر سکی۔

۱۹۶۲ء کے چینی حملہ کی ذلت کے باوجود ہم کوئی سبق حاصل نہ کر سکے۔ 'را' کی تقریباً چالس سالہ تاریخ میں صرف ایک سربراہ کو چینی ماہر کہا جا سکتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری خفیہ ایجنسیاں صرف پاکستان کو دشمن مانتی تھیں۔ ہر سطح پر کمیونسٹوں کے غیر متوقع غلبہ کے سبب چین کو نہیں (طاقت کا پجاری دیش ہونے کے سبب) مصنف پر امید ہیں کہ نقطۂ نظر (ذہنیت) کے اس عدم توازن کو دور کر لیا جائے گا (کمزوروں پر ظلم طاقتور کی بندگی)۔

ایجنسی کے ذریعہ راز داری کے پردے میں بھارت کے ذریعہ چلائی جا رہی مہمات کے بارے میں تفصیلات نہیں دی گئی ہیں۔ حالانکہ امریکی سی آئی اے کی بین الاقوامی پالیسیوں کے تحت ۵۰ سال بعد خفیہ معلومات فراہم کرنے کے قانون کے تحت بھارت کا تبتی رول، کھمپا بغاوت یا کاؤ کے کنٹرول میں ۱۹۷۱ء میں تبتی فوجیوں کی سرگرمیوں کا بھی تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش کے قائم ہونے سے پہلے (بنگلہ دیش بنانے کے لیے سرگرم جنگجوؤں کی بھارت کے ذریعہ قائم گوریلہ تنظیم) کی مہم میں بھی ہمارے ملک کی درپردہ کاوشیں دوسرے ذرائع سے زیادہ واضح طور پر دستیاب ہیں۔ اسی طرح ایوی ایشن ریسرچ سینٹر کے نام سے خفیہ طریقہ سے پاکستان کے خلاف چلائی جا رہی مہم کا بھی اس میں کوئی خاص تذکرہ نہیں ہے۔

پوری کتاب میں دلچسپ اور نایاب تاریخی معلومات سے لبریز کافی تفصیلات ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھارت کی بیرون ملک سرگرم خفیہ ایجنسی کی اب تک کی بہترین تصنیف قرار دی جا سکتی ہے۔

مصنف ہندوستانیوں کی کمزور یاداشت کا اعتراف کرتے ہوئے تسلیم کرتا ہے کہ ہندوستانی پرانے واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے، جو مستقبل کی اچھی علامت نہیں ہے۔

جب رامیشور ناتھ کاؤ واشنگٹن میں سی آئی اے ہیڈکوارٹرز کے دورے پر گئے تھے، تب موجودہ (جس وقت کتاب لکھی گئی) صدر جارج ڈبلیو بُش کے والد جارج بُش سینئر جو اس وقت ۱۹۷۰ء میں سی آئی اے سربراہ تھے، انہوں نے امریکی علامت کاؤ بوائے کا کانسے کا ایک مجسمہ کاؤ کو تحفہ میں دیا تھا۔ جارج بُش کو دہلی میں واقع سی آئی اے

کے افسر نے پہلے ہی کاؤ بوائز آف 'را' کہ ان کا تعارف کرایا تھا۔ تبھی سے امریکہ میں بھارتی ڈپلومیٹ اینیائیت میں یہ لفظ استعمال کرنے لگے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ رامیشور ناتھ کاؤ کے زمانے میں ایک کاؤ بوائے جیسی جری پُرخطر لیکن اشتعال انگیز یا ظاہری تصویر کا نام ونشان نہیں تھا۔ اس کے برعکس ان کا نظریہ میڈیا کی نظروں سے دور، خاموش، خفیہ اور پُر اسرار پردے میں رہ کر کام کرنے کا تھا آج کی طرح ان دو دہائیوں میں کاؤ اور ان کے کسی معاون نے ان کی تصویر، ٹی وی یا پرنٹ میڈیا میں کبھی دیکھا ہی نہیں، یہی نہیں پاکستان کے تسلط سے بنگلہ دیش کو آزادی دلانے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے والے کا سالہا سال تک میڈیا میں ذکر ہی نہیں تھا۔ فتح کے لمحات میں 'را' کی چرچا ضرور ہوئی، لیکن وہ اپنی تصویر شائع کرانے کے لیے کبھی راضی نہیں ہوئے۔

مصنف نے ۱۹۹۶ء کے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ دھوم دھام سے منائی جارہی تھی۔ نیتاؤں کی تقریروں سے جلسہ گاہ میں حد درجہ جوش تھا۔ تبھی ایک بنگلہ دیشی مہمان نے پیچھے کی کرسیوں پر ایک لمبے، خوب صورت اور مہذب دکھائی پڑنے والے شخص کو دیکھا اور اس کے پاس جا کر بولا: ''سر آپ کا مقام تو اسٹیج پر مرکزی جگہ پر بیٹھنے کا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جو کچھ ہوا آپ نے ہی اسے ممکن بنایا''۔ کاؤ نے جواب دیا: ''میں نے کچھ نہیں کیا بلکہ میرے معاونین کو آج تعریف پانے کا حق ہے، وہ چپ چاپ بھیڑ میں، گمنامی میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔

مصنف کا خارجہ حکمت عملی اور اس سے منسلک جاسوسی پر اپنا مخصوص ذاتی نظریہ تھا۔ آج کی ٹی وی پر بریکنگ نیوز کے طرز پر پیش کرنے والے تبصرہ نگار یا تو نادان ہیں یا معصوم یا سیکیورٹی کے معاملے میں بے خبر یا تینوں۔ مثال کے طور پر ایسی خبریں فرانسیسی جاسوسوں نے وزیر اعظم کے دفتر میں ٹھکانہ بنالیا، جو ۸۰ کی دہائی میں سرخیوں میں رہیں یا کسی ملک نے ہماری ویب سائٹ کو ہیک کیا یہ سنسنی خیز تو ہوسکتی ہیں لیکن ان میں حقیقت نہیں ہوتی۔

پھر بھی مصنف کی رائے میں ہمارے ملک میں غیر ملکی جاسوسوں کی جاسوسی کرنے یا نگاہ رکھنے میں کوئی احتیاط نہیں کیا جاتا۔ ہماری جوابی جاسوسی بہت ہی کمزور ہے۔

ملک میں ہمارے جاسوسی نظام کی کیفیت کو مکمل طور پر جاننے کے لیے یہ کتاب ایک مصدقہ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مضمون میں ہم وقت کے اصلی واقعات کا ہی نہیں، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کے پڑنے والے ہمہ جہتی اثرات کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب قابل دید ہے۔

اے 1002، پنچ شیل ہائٹس،
مہاویر نگر، کاندیولی، ویسٹ ممبئی۔ 64

بہ حوالہ ماہنامہ راشٹر دھرم 58
دسمبر 2008

●●●

☆ مکہ میں رُکانہ نامی ایک پہلوان تھا جو اکھاڑوں میں کشتیاں لڑتا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کسی ملحقہ وادی میں اس سے ملے اور اپنی دعوت دی۔ اس نے دعوت کے لئے کوئی معیارِ صدق طلب کیا۔ اس کے ذوق کے پیش نظر حضور ﷺ نے کشتی کرنا پسند کرلیا۔ ۳/بار کشتی ہوئی اور تینوں بار آپ ﷺ نے اسے پچھاڑ لیا۔ اسی رُکانہ کے بیٹے ابوجعفر محمد کی یہ روایت حاکم نے مستدرک میں سے لی ہے اور ابوداؤد و ترمذی نے اسے پیش کیا ہے۔ اور بیہقی نے سعید بن جبیر کی دوسری روایت کی ہے جس میں آتا ہے کہ بعض دوسرے لوگوں کو بھی کشتی میں پچھاڑا ہے جن میں ایک ابوالاسود جمحی بھی ہے۔

☆ پیارے نبی ﷺ حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ سے دشمنان اسلام کے ہجویہ اشعار کے جواب میں شعر کہلواتے اور کبھی کبھی حسانؓ کو اپنے منبر پر بٹھا کر ان سے پڑھواتے اور کہتے کہ ''یہ اشعار دشمنوں کے حق میں تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ ''مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی''

☆ سواریوں میں گھوڑا بہت پسند فرماتے، گھوڑے کے ایال میں قیامت تک کے لئے خیر و برکت ہے، گھوڑے کی آنکھ، منہ، ناک کو اہتمام سے اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے۔

چینی حکومت کے ہاتھوں مشرقی ترکستان میں ۵/ہزار مسجدیں شہید

مترجم: محمد اکمل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

چینی حکومت مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی مسلسل کوشش کر رہی ہے، جبکہ اقوام متحدہ نے عالمی قوانین اور حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی کی وجہ سے چین کی سخت مذمت کی ہے، لیکن چین مسلسل عالمی قوانین کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ ۱۹۴۹ء سے چین کے مشرقی ترکستان پر قبضہ کرنے کے بعد سے ایغور مسلمان بدترین ظلم کا شکار ہیں، ان کے علماء کو غائب کر دیا جاتا ہے، ان کے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، انکی دینی اور ثقافتی شناخت کو مٹایا جا رہا ہے، دینی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ لوگوں کو جلاوطن کیا جا رہا ہے اور اس کے علاوہ طرح طرح کی تعذیب کی بھٹیوں میں ان کو ڈالا جاتا ہے۔ عربی سے ترجمہ شدہ زیرنظر مضمون سے کمیونسٹوں کا اصلی چہرہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے سلسلے میں ان کا رویہ کتنا معاندانہ ہے۔ مضمون نگار عبدالوارث خوتن ہیں جو مشرقی ترکستان کے شہر خوتن کے رہنے والے ہیں اور مشرقی ترکستان نیوز ایجنسی کے ڈائریکٹر ہیں۔ چینی حکومت تاریخی اور قدیم مسجدوں کو نشانہ بنا رہی ہے، خاص طور سے مشرقی ترکستان میں ۲۰۱۵ء سے ۲۰۱۸ء کے درمیان تقریباً ۵/ہزار مسجدوں کو شہید کر چکی ہے۔ اس نے ۲۰۱۵ء سے ہر اس چیز کو ختم کرنے کی مہم تیز کر دی ہے جس کا تعلق اسلامی شناخت سے ہے۔ مثلاً مساجد، قرآن مجید، جائے نماز، اسلامی نام وغیرہ۔ اس نے اس کام کو بتدریج انجام دیا؛ سب سے پہلے مسجد کی دیواروں اور میناروں پر چینی پرچم، چینی صدر شی جن پنگ کی تصویریں اور ان عبارتوں کو بینر پر لکھ کر لٹکایا گیا جو چین، اس کے صدر اور کمیونسٹ پارٹی کی عزت وتکریم اور مجد وشرافت کو اجاگر کرتی ہے، پھر آذان پر پابندی لگا دی گئی، پھر نوجوانوں کا مسجد میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ تمام لوگوں کو مسجد جانے سے روک دیا گیا ہے۔ اسی طرح مشہور ومعروف جامع مسجد جامع عیدگاہ جو کہ کاشغر شہر میں واقع ہے، اس میں بھی نماز پر پابندی لگا دی گئی ہے، جبکہ یہ مسجد نمازیوں اور سیاحوں کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح جامع مسجد کی تصویر لینے اور صحافیوں کو وہاں تک پہنچنے پر بھی روک لگا دی گئی ہے اور حکومت نے جامع مسجد سے دور ایک حد مقرر کر دیا ہے، جس کا نام رکھا گیا ہے "صحافیوں کی زیارت کا علاقہ"۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ان پر نگاہ رکھی جاتی ہے، ان کے کیمروں کی تلاشی لی جاتی ہے اور ان تصویروں اور ویڈیوز کو ڈیلیٹ کر دیا جاتا ہے جو مسجدوں کے انہدام یا کسی مسجد کے کھنڈرات یا پھر چینی پولیس سے متعلق ہوتے ہیں اور اس طرح چینی حکومت اپنے جرائم کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے، مگر دوسری طرف ان مسجدوں کی تصویریں دنیا کو دکھائی جاتی ہیں جو مشرقی ترکستان کے بجائے دوسرے علاقوں میں موجود ہیں تاکہ دنیا کو دھوکہ دیا جا سکے کہ اسلام سے اس کو کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ وہ اس کی مددگار ہے۔ وہ اہم مساجد جنہیں گذشتہ تین سالوں میں چینی حکومت نے شہید کر دیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: خوتن (Khotan) مسجد کیریا، جس کی تعمیر آٹھ سو سال پہلے کی گئی تھی، تاریخی مینار، جسکا شمار اہم تاریخی اور دینی یادگار میں ہوتا تھا جسے ۲۷/جون ۲۰۱۹ء کو منہدم کر دیا گیا، جامع عیدگاہ، جو شہر کے اہم یادگار میں سے تھی اور بنیادی طور پر تاجروں، زائرین اور سیاحوں کے لیے عبادت کی جگہ تھی اور یہ مسجد شہر کے درمیان میں واقع تھی، مسجد بیت اللہ، جو شہر کی مشہور مسجد تھی، مسجد منور، مسجد آت بازری، مسجد اتفاق، مسجد نور بلاق، مسجد جسر، مسجد اُوتون بازری، مسجد قزق دروازا، مسجد کوجان دروازا، مسجد انجان اورومقی (Urumqi)، مسجد خابا، مسجد سنشیخا نگرا، کیریا (Kairia) جامع کیریا، جامع عیدگاہ کیریا، کاشغر، مسجد تومور باد انگ، قارغلق، جامع قارغلق الکبیر، غولجا، مسجد حی الجی، مسجد دونگلیاگ، کورلا، مسجد چہار باغ، مسجد کورلا، آقسو، جامع رستہ۔ (المجتمع، اگست ۲۰۱۹ء)

لوگ فوج کے خوف کے سائے میں جی رہے ہیں، کئی وکلاء بھی جیلوں میں بند

دورۂ کشمیر کے بعد سماجی کارکنوں کی پریس کانفرنس

نئی دہلی۔ 24 ستمبر (سیاست ڈاٹ کام) جموں وکشمیر کی صورتحال کا جائزہ لے کر واپس آئے سماجی کارکنوں نے دعوی کیا ہے کہ آئین کی آرٹیکل 370 ختم کرنے کے بعد سے پچھلے 51 دنوں کے دوران 13 ہزار سے زائد بچے غائب ہیں جب کہ حالات کافی خراب ہیں، لوگ فوج کے خوف کے سائے میں جی رہے ہیں اور متعدد وکلاء کو بھی جیلوں میں بند کر دیا گیا ہے۔ پلاننگ کمیشن کی سابق رکن اور معروف ماہر تعلیم سعیدہ حمید کی قیادت میں پانچ خواتین پر مشتمل ایک وفد نے 17 ستمبر سے 21 ستمبر تک کشمیر کے تین اضلاع کے 51 گاؤں کا دورہ کرنے کے بعد اپنی جانچ رپورٹ جاری کرتے ہوئے یہ دعوی کیا۔ اس ٹیم میں نیشنل فیڈریشن آف انڈین وومن کی جنرل سکریٹری اینی راجا، پرگتی شیل مہیلا سنگٹھن کی جنرل سکریٹری پونم کوشک، پنجاب یونیورسٹی سے سبکدوش پروفیسر کنول جیت کور اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی ریسرچ اسکالر پنکھڑی ظہیر نے صحافیوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے جموں کشمیر کی صورتحال کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا اور کہا کہ 51 دن بیت جانے کے بعد بھی صورتحال معمول پر آنے کے کوئی آثار نہیں ہیں اور حکومت کے تمام دعوے جھوٹے ہیں کیوں کہ میڈیا پر سنسر شپ جیسی صورتحال ہے اس لئے سچائی سامنے نہیں آرہی ہے۔ شوپیان، پلوامہ اور باندی پورہ اضلاع کا دورہ کرکے واپس آئیں ان خواتین نے بتایا کہ لوگ فوج کے خوف کے سائے میں جی رہے ہیں کیوں کہ فوج ان پر زیادتی کررہی ہے اور ان پر ظلم وستم ڈھارہی ہے۔ رات آٹھ بجتے ہی سب کو اپنے گھروں کی روشنی بجھا دینی پڑتی ہے اور دکانیں، کالج سے لے کر پورا شہر بند پڑا ہے۔ ٹرانسپورٹ اور مواصلاتی ذرائع بند ہیں جس سے لوگوں کی اقتصادی حالت بھی بہت خراب ہوگئی ہے۔ مسلم وومنز فورم کی سعیدہ حمید نے کہا کہ وہ سب وہاں سے انتہائی دل گرفتہ ہوکر لوٹی ہیں۔ حالات کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ پورا شہر خاموش ہے، دکانیں نہیں کھلتی ہیں، فصلیں برباد ہوگئی ہیں، سیب بھی تباہ ہوگئے ہیں اور دس سے بارہ سال سے لے کر 22-24 برس کے 13 ہزار لڑکے/نوجوان غائب ہوگئے ہیں اور ان کے گھر والوں کو پتہ نہیں ہے کہ فوج کے جوان ان کے بچوں کو کہاں لے گئے ہیں۔ کشمیر میں پیدا ہوئی سعیدہ حمید نے کہا کہ جموں وکشمیر سے متعلق آئین کی آرٹیکل 370 کو ختم کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ کشمیر میں ترقی نہیں ہوئی ہے جب کہ سچائی یہ ہے کہ 1934ء سے ہی وہاں تعلیم کی ترقی ہوئی ہے اور ترقی کے کئی پیمانوں پر کشمیر دیگر ریاستوں سے بہتر ہے۔ پیشے سے وکیل پونم کوشک نے کہا کہ جموں وکشمیر بار ایسوسی ایشن کے دفتر پر تالا لگا ہوا ہے اور وکیلوں کو پبلیز سیکورٹی قانون میں گرفتار کرکے آگرہ، جالندھر، فریدآباد کی جیلوں میں قید رکھا گیا ہے اور ان کے گھر والوں کو نہیں بتایا جارہا ہے کہ وہ کس جیل میں ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی خواتین تنظیم سے وابستہ اینی راجا نے کہا کہ ان کی ٹیم نے کسانوں، وکیلوں، ڈاکٹروں، نرسوں، اسکول کالجوں کے طلبہ اور پروفیسروں اور خواتین خانہ سے بھی ملاقات کی۔ ان سب کا کہنا تھا کہ انہیں مرکزی حکومت نے دھوکہ دیا ہے اور فوج ان پر ظلم وزیادتی کررہی ہے۔ لوگوں میں فوج کے تئیں کافی غصہ ہے۔ ان خواتین کارکنوں نے گرفتار افراد کو فوراً رہا کرنے، جھوٹے ایف آئی آر رد کرنے، صورتحال کو معمول پر لانے، مواصلاتی نظام بحال کرنے اور فوج کی ظلم وزیادتی کی انکوائری کرانے اور آرٹیکل 370 کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔

طرحی غزل

کس نے قبول کیا ستم گر کے جبر کو
یہ کون ہے جو جوتی قیصر میں آگیا

فتنہ جو کل تلک تھا نیا میرے شہر میں
دستک دیے بغیر میرے گھر میں آگیا

میں سوچتا ہوں کیسے گوارا ہوا ہمیں
کیسا زوال قوم کے جوہر میں آگیا

ان لیڈروں کو قوم کے، اللہ کیا ہوا؟
مومنؔ یہ دیکھ کر حالتِ ششدر میں آگیا

مومن ہندی (ممبرا)

Nukushe-E-Rah

New RNI Number : MAHURD/2018/7738

Postal Reg No:G/Akl Dn/258/2019-21

مصری عالم دین سید قطب شہیدؒ کے ذریعہ زنداں میں کی جانے والے عربی زبان کی مایہ ناز تفسیر

فِی ظِلاَلِ الْقُرْآن

مکمل سیٹ (۱۸/جلدیں)
قیمت 7500 روپئے میں

کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کی ساتھ بذریعہ

مولانا سید حامد علیؒ صاحب/مولانا مسیح الزماں فلاحی، ندوی صاحب

شُستہ، شگفتہ عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر۔

علمی، فکری اور سائنٹفک تفسیر۔ دعوتی، تربیتی اور انقلابی تفسیر۔ وجدانی اور ادبی تفسیر۔

کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بہترین تفسیر۔

اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج وزوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو۔

اسلامی جماعت کے کارکنان کے لیے بہترین مشعل راہ۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت وطباعت اور پرکشش ٹائٹل۔

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کے لئے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں: موبائیل:9899693655

ای میل: gpddelhi2018@gmail.com

Nukushe-E-Rah

1st Floor, Opp. Basera Apartment
Subhash Chowk, Akola-444001

0724–2434333
8266997613

nukusherah@gmail.com